ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہ نامہ

مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد: ۱۴ محرم الحرام سنہ ۱۴۱۹ھ مئی سنہ ۱۹۹۸ء شمارہ: ۵

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
عبد البر اثری فلاحی

معاون مدیر
انیس احمد فلاحی

☆ سالانہ زر تعاون	: ۵۰/ روپئے	☆ طلبہ کے لیے	: ۴۰/ روپئے
☆ خصوصی زر تعاون	: ۱۰۰/ روپئے	☆ اعزازی زر تعاون	: ۱۰۰۰/ روپئے
☆ بیرون ملک سے	: ۲۵/ امریکی ڈالر	☆ قیمت فی شمارہ	: ۵/ روپئے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہ نامہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج
اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱ - فون نمبر ۲۵۱۱۵ ـ ۰۵۴۶۶

کتابت: محمد اشفاق عالم منیجر حیات نو بلریاگنج

نقوشِ حیاتِ نو

صفحہ

- **ادار یہ**
  - خسروِ محفل زہاد گیا — انیس احمد فلاحی — ۳
- **ہدایت کے چراغ**
  - رجاء بن حیوۃ — ابو جلیس ندوی — ۲۱
- **بحث و نظر**
  - لبیدؓ کی اسلامی شاعری — ڈاکٹر فیاض حمید — ۵
  - فن جراحت کے ارتقاء میں امام زہراوی کا رول — ابرار قم فلاحی — ۱۳
- **مذاہب عالم**
  - نصرانیت — انیس احمد فلاحی — ۱۸
- **وفیات**
  - مولانا ابو بکر مرحوم — نظام الدین اصلاحی — ۳۰
- **جامعہ کے لیل و نہار**
  - تعزیتی اجلاس، نو واردان بساط تین، خوشی کی بات، — ادارہ — ۳۵
  - اظہار تعزیت — ۴۷
- **روداد انجمن**
  - پریس ریلیز — ادارہ — ۴۸
- **خطوط و رسائل** — ضیاء الدین اصلاحی، ڈاکٹر فیاض حمید، فضیل الرحمٰن — ۳۲

اداریہ

خسروِ محفل زہاد گیا

انیس احمد فلاحی

جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں اس کے سابق ناظم و صدر جناب مولانا ابوبکر اصلاحی کی ۳۰ مئی کو وفات کی خبر بڑے ہی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی۔ اطلاع ملتے ہی اساتذۂ کرام اور طلبہ پر مشتمل ایک بڑی تعداد آپ کے جنازہ میں شرکت کے لئے سرائےمیر پہنچی۔

موصوف مدرسۃ الاصلاح سرائےمیر کے فارغ التحصیل تھے، فراغت کے بعد انھوں نے ضلع بستی میں درس و تدریس کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ علمی لیاقت واستعداد کی بناء پر جلد ہی مادر علمی "مدرسۃ الاصلاح" میں تدریس کا موقع ملا۔ لیکن جلد ہی جماعت اسلامی سے تعلق کی بناء پر ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔

جامعۃ الفلاح کے قیام کے بعد اس کے ابتدائی مرحلے ہی میں آپ جامعہ تشریف لائے اور اس کی تعمیر و ترقی میں فعّال اور اہم رول ادا کیا۔ چنانچہ کبھی ناظم کبھی نائب ناظم اور کبھی صدر اور کبھی نگرانِ اعلیٰ کی حیثیت سے جامعہ میں علمی زندگی کو فروغ دینے اور اس کی تعمیر و ترقی کی راہوں کو کشادہ کرنے کی جد و جہد میں زندگی کھپاتے رہے۔ میرے نزدیک ان کی سب سے بڑی خوبی ان کے اخلاص کی صفت تھی۔ بیجا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ ان کی نیک نیتی نے جامعہ کو نیک نام بنایا اور ان کی پاک باطنی نے جامعہ کے ماحول میں طہارت و پاکیزگی اور تقویٰ و خدا ترسی کی ہوا چلائی۔

مولانا کی کوئی مستقل تصنیف اگرچہ نہیں ہے لیکن علمی اعتبار سے آپ کا مقام معتبر و مستند تھا۔ صرف و نحو پر گہری نظر تھی۔ فرائض جسے نصف علم دین کہا گیا ہے یا جس کا تیسرا (العلم ثلاثۃ: آیۃ محکمۃ أو سنۃ قائمۃ أو فریضۃ عادلۃ) (ابن

آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس باب میں تا عمر اساتذہ کرام کے مصدر و مرجع بنے رہے۔

راقم الحروف بھی مولانا کا کفش بردار رہا ہے، موصوف کے درس کی ایک خاص خوبی مسلکی رواداری، انفرادیت پر بے جا اصرار سے گریز اور متوسم "میں" سے گلو خلاصی تھی۔ درس قرآن آپ کچھ اتنے موثر و دل نشیں انداز میں دیتے کہ آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی۔

"الطهور شطر الایمان" کے آپ عملی پیکر تھے آپ کے گھر میں ہر چیز انتہائی قرینہ و سلیقہ سے رکھی نظر آتی۔ صفائی و ستھرائی کا اس قدر اہتمام رکھتے کہ دیکھ کر رشک آتا۔

شکل و صورت انتہائی نورانی تھی۔ لمبا قد، گورا رنگ اور نورانی چہرہ پہلی ہی نگاہ میں انسان ان کی نورانیت سے متاثر ہو جاتا۔ گفتگو کا انداز انتہائی شیریں و میٹھا تھا۔

جامعہ کے مختلف مناصب پر فائز رہے لیکن علاقائی و جماعتی تعصب سے بالاتر ہو کر آپ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے جس کی بناء پر آپ کے ماتحت بھی آپ کے ہمیشہ مداح رہے۔

آغاز شباب ہی میں تحریک اسلامی سے منسلک ہو گئے اور تا عمر فریضہ اقامت دین کی راہ میں استقامت کے جوہر دکھاتے رہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

لبیدؓ کی اسلامی شاعری

ڈاکٹر فیاض حمید
۱۰۳- حبیب ہال

آپ کا نام لبیدؓ اور کنیت ابو عقیل تھی والد کا نام ربیعہ بن عامر تھا جو اپنے قبیلے کے رئیس اور بڑے ہی فیاض و غریب پرور انسان تھے ان کے اسی وصف جود و سخا کے باعث ان کی قوم کے لوگوں نے انھیں ربیع المقترین کے خطاب سے نوازا تھا[۱]

آپ ہجرت سے چالیس سال قبل "۵۸۳ء میں" پیدا ہوئے[۲] آپ کو غرباء پروری اور فیاضی و سخاوت جیسی خوبیاں باپ سے وراثت میں ملی تھیں ساتھ ہی شجاعت و بہادری، شہسواری و پامردی، سلامتی طبع و راست بازی اور پاکیزہ نفسی جیسے اوصاف سے بھی متصف تھے۔

آپ کو بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور کم عمری میں ہی آپ نے شعر گوئی شروع کر دی تھی چنانچہ بچپن میں ہی ایک مرتبہ اپنے چچا کے ساتھ نعمان بن المنذر کے دربار میں گئے وہاں عظیم جاہلی شاعر نابغہ ذبیانی بھی موجود تھا نابغہ انتہائی ذہین اور مردم شناس شاعر تھا وہ لبیدؓ کے اندر پوشیدہ شاعرانہ جوہر کو پہچان گیا۔ اس نے کہا کہ بچے تمہاری دونوں آنکھیں تو کسی شاعر کی آنکھیں معلوم ہوتی ہیں اور جب اس نے آپؓ "لبید" کے اشعار سنے تو بڑی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ یقیناً تم بنو قیس کے سب سے بڑے شاعر ہو[۳]

اس کے بعد رفتہ رفتہ آپؓ جاہلی دور کے ان شعراء کی صف میں آ کھڑے ہوئے جنہیں اصحاب المعلقات کے نام سے جانا جاتا ہے اور جن کے قصائد کو اس دور میں سنہرے حروف میں لکھ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پہ آویزاں کیا جاتا تھا

آپ کا قصیدہ معلقہ بھی اس میں شامل تھا جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

عفت الدیار محلها فمقامها — بمنی تابد غولها فرجامها

آپ کی سحر بیانی و شیریں کلامی کے بڑے بڑے ادباء شعراء اور نقادان فن بھی مداح ومعترف رہے ہیں چنانچہ مشہور نقاد ابن سلام اپنی کتاب "طبقات الشعراء" میں رقمطراز ہیں:

"کان عذب المنطق رقیق حواشی الکلام وکان مسلماً رجل صدق"

وہ ایک شیریں کلام خوش بیان دقیق رس شاعر اور صدق وصفا کے پیکر مسلمان تھے۔

ایک مرتبہ اس دور کے مشہور شاعر فرزدق کا گذر مسجد بنی اقیصر کے پاس سے ہوا جہاں کوئی شخص حضرت لبیدؓ کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

(۱) وجلا السیول عن الطلول کأنها — زبر تجد متونها اقلامها

فوقفت اسألها وکیف سؤالنا — صمّاً خوالد ما یبین کلامها

ترجمہ:- اور سیلاب نے کھنڈروں کو اس طرح صاف کر دیا ہے گویا کہ وہ کتاب کے صفحات ہیں جن کی تحریروں کو قلم نے تازہ کر دیا ہو۔

۲- میں وہاں ٹھہر گیا اور ان کھنڈرات سے سوال کرنے لگا میں بھی کیسا عجیب شخص ہوں کہ ان بے زبان آثار و نشانات سے سوال کر رہا ہوں جو کہ بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

ان اشعار کو سن کر فرزدق سجدے میں گر پڑا جب اس سے پوچھا گیا کہ اے ابو فراس! (فرزدق کی کنیت تھی) آپ نے یہ کیا کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ تم لوگ قرآن کریم کے مقامات سجدہ سے واقف ہو اور میں شعر کے مقام سجدہ سے واقف ہوں۔

آپؓ کی عظمت و بزرگی کی قائل حضرت عائشہؓ بھی تھیں اور بقول طہٰ حسین وہ آپؓ کا یہ شعر اکثر گنگنایا کرتی تھیں

ذهب الذين يعاش في اكنافهم — وبقيت في خلف كجلد الاجرب

ترجمہ:- جن کے ساتھ زندگی گذر رہی تھی وہ لوگ تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور

عرب میں ہی تنہا رہ گیا ہوں۔

قبول اسلام سے قبل بھی آپ کو اور آپ کی شاعری کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس کی وجہ آپ کی شرافت نفس اخلاق وکردار کی بلندی وپاکیزگی اور عقیدے کی پختگی تھی چنانچہ اس دور میں جب کہ تمام عالم عرب پر جہالت وگمراہی اور شرک وبت پرستی کے مہیب بادل چھائے ہوئے تھے اس ماحول میں بھی آپؓ کے کلام اور شاعرانہ فکر میں عقیدہ توحید کی جھلکیاں ملتی ہیں اور بہت سے اشعار ایسے ملتے ہیں جن کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی راسخ العقیدہ موحد ومومن کا کلام ہے جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تمام اشعار دور جہالت میں ہی کہے گئے ہیں اس کی بنیادی وجہ آپ کی روشن ضمیری و زندہ دلی ہے جس نے آپ کی شاعری کو صحیح سمت عطا کی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے قبول اسلام سے قبل ہی آپ کے کلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "شعراء کے کلام میں سب سے زیادہ صحیح اور درست لبیدؓ کا یہ شعر ہے"

الا كل شيء ما خلا الله باطل — وكل نعيم لا محالة زائل

ترجمہ:- سنو! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور یقیناً ہر نعمت ختم ہو جانے والی ہے۔

اکثر مورخین وارباب سیر کا یہ خیال ہے کہ لبیدؓ نے قبول اسلام کے بعد شاعری بالکلیہ ترک کر دی تھی اور درج ذیل شعر کے علاوہ انھوں نے کوئی دوسرا شعر نہیں کہا تھا۔

الحمد لله اذ لم ياتني اجلي — حتى لبست من الاسلام سربالا

ترجمہ:- خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس وقت تک موت نہیں آئی حتی کہ میں نے خلعت اسلام کو زیب تن کر لیا "اسلام قبول کر لیا"

مورخین کے اس خیال کا اہم سبب لبیدؓ کا فرمائشی اور مدحیہ شاعری سے احتراز کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالی نے مجھے شعر کی عوض میں سورہ بقرہ وآل عمران عطا کر دی ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب نے کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو یہ حکم بھیجا کہ تم اپنے شہر کے شعراء کے وہ اشعار لکھ کر مجھے بھیج

دو جو انھوں نے دورِ اسلام میں کہے ہیں تو مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بلایا اور اس سے شعر سنانے کو کہا اس پر اس نے برجستہ کہا کہ:-

ارجزاً تريد ام قصيداً　　لقد طلبت هيناً موجوداً

ترجمہ:- رجزیہ اشعار سننا چاہتے ہیں یا قصیدہ آپ نے تو بہت معمولی چیز طلب کی ہے۔

لیکن جب انھوں نے لبیدؓ سے یہی سوال دہرایا تو لبیدؓ نے پوچھا کہ کیا وہ اشعار سناؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے یعنی دورِ جاہلیت کے تو مغیرہ نے کہا کہ نہیں بلکہ دورِ اسلام کے اس پر حضرت لبیدؓ نے سورۃ بقرہ لکھ کر ان کے حوالے کر دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں اشعار سے اچھی یہ چیز عنایت کی ہے[۱۱]

مورخین کے اس خیال کا دوسرا سبب لبیدؓ کا ولید کے منظوم خط کا جواب دینے سے انکار کرنا ہے جسے صاحب الاغانی و دیگر تذکرہ نویسوں نے بطورِ ثبوت پیش کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ لبیدؓ نے اپنے وصف جود و سخا کے باعث خوشحالی کے زمانے میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب بھی بادِ شمال چلے گی "قحط پڑے گا" تو وہ جانور ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا کریں گے اپنے اس عہد کو وہ بڑے ہی عزم و استقلال کے ساتھ نبھاتے رہے قیامِ کوفہ کے دوران ان کے حالات کچھ خراب ہوئے اور وہ انتہائی تنگ دست ہو گئے لیکن اپنے دل کو تنگ نہ ہونے دیا اپنے عہد پر قائم رہے اسی اثنا میں کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو ان کے عہد اور موجودہ تنگ دستی کا علم ہوا تو انھوں نے بطورِ امداد ستر اونٹ لبیدؓ کی خدمت میں ارسال کیا جس کے ساتھ ایک قصیدہ بھی تھا (اس کو یہاں نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں) جب لبیدؓ کو اونٹوں کے ساتھ ولید کا خط بشکل "قصیدہ" موصول ہوا تو انھوں نے اپنی بیٹی کو بلا کر کہا کہ بیٹی! تم ہی اس کا جواب لکھ دے[۱۲]

مورخین کی رائے اور لبیدؓ کے قول سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام لانے

کے بعد واقعۃً کلی طور پر شاعری ترک کر دی تھی لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ قبولِ اسلام کے بعد بھی انھوں نے شاعری کی ہے البتہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے کہ دورِ اسلام کی شاعری کی نوعیت کیا ہے؟ لیکن اس سے مورخین کی کوتاہی و غلط بیانی کا ثبوت ضرور ملتا ہے۔

بڑی عجیب و مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ تمام مورخین ایک طرف تو یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ لبیدؓ نے قبولِ اسلام کے بعد شاعری کا بالکل ترک کر دی تھی اور دوسری طرف وہی مورخین اپنی کتابوں میں ان کے اسلامی دور کے اشعار و قصائد نادر بھی دلائل کے ساتھ نقل کرتے ہیں اس طرح ان کے اپنے پہلے قول کی تردید خود انھیں کے قول سے ہو جاتی ہے اور کسی خارجی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی جہاں تک لبیدؓ کے قول کی بات ہے تو دراصل انھوں نے ولید کے خط کا جواب دینے سے شاید اس لئے احتراز کیا تھا کہ اپنا دامن کسی انسان کی [redacted]

ہاں! یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ وہ قرآن کے اندازِ بیان معجزانہ اسلوب شوکتِ کلام اور اس کی سحر انگیزی سے اس حد تک متاثر ہو چکے تھے کہ شاعری ہیچ نظر آنے لگی تھی شعر و سخن میں اب انھیں وہ لذت و آسودگی نہیں ملتی جو عشقِ رسول سے حاصل ہوتی تھی اب ان کے اشعار میں معانی و مطالب کی نئی دنیا آباد ہو گئی تھی اسلوبِ بیان میں نیا رنگ و آہنگ پیدا ہو گیا تھا وہ اسلام کے مبلغ تھے قرآنی تعلیمات کے ترجمان اور اسلام کے داعی شاعر تھے۔

لبیدؓ کے اسلامی اشعار و قصائد پر ایک سرسری نظر ڈالنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ کوئی حتمی رائے قائم ہو سکے۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ لبیدؓ نے نوّے سال کی عمر میں ۹ھ مطابق ۶۳۰ء میں ربیعہ بن عامر کے ایک وفد کے ساتھ نبیؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا[۱۳] جب کہ ان کی وفات ۴۱ھ میں ہوئی تھی[۱۴]

تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب لبیدؓ ایک سو دس سال کی عمر کو پہونچے تو انھوں نے بڑے ہی لطیف انداز میں اپنی پیرانہ سالی کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

الیس فی مأۃ وقد عاشہا رجل | وفی تکامل عشر بعدھا عمرؓ

ترجمہ: کیا سو سال آدمی کا زندہ رہنا بہت نہیں ہے؟ جب کہ اس کے بعد مزید دس سال اور زندہ رہے۔

اس کے بعد جب بڑھاپے کی اس حد کو بھی پھلانگ گئے اور عمر کی ۱۲۰ منزلیں طے کر لیں تو پیرانہ سالی کے مانند بڑے لطیف و سنجیدہ طریقہ سے اپنی درازی عمر، لوگوں کی ہمدردی، بار بار کی مزاج پرسی اور گردش روزگار کے سامنے اپنی عاجزی کا دبے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل قصیدہ کہا تھا اس پر سبھی تذکرہ نویسوں نے اپنی مہر تصدیق ثبت کی ہے اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

لقد سئمت من الحیاۃ وطولہا | وسؤال ھذا الناس کیف لبید

یوما اری یاتی علی و لیلۃ | وکلاھما بعد المضاء یعود

بلاشبہ میں اپنی درازی زلیست اور لوگوں کے اس سوال کہ لبیدؓ کیسے ہیں؟ گھبرا گیا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ شب و روز میرے سامنے آتے ہیں اور گذرنے کے بعد پھر لوٹ آتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے بھتیجے (لبیدؓ کے کوئی بیٹا نہ تھا) کو بلا کر تجہیز و تکفین کے سلسلے میں وصیت کرتے ہوئے ایک قصیدہ لکھا تھا جس کے تین اشعار درج ذیل ہیں۔

واذا دفنت اباک فاجـ | ـعل فوقہ خشبا و طینا

وسقائفا صما رواسـ | ـیہا یسددن الغضونا

لیقین حر الوجہ سفـ | ـساف التراب ولن یقینا

۱۔ جب تم اپنے باپ کو قبر میں سلا دینا تو اوپر پہلے تختے پھر مٹی ڈالنا۔ ۲۔ اور ایسے مضبوط پتھروں کی چھتیں بنانا جن کا بالائی حصہ شگافوں کو روک سکے ۳۔ تاکہ اس شریف ذات کو گرد و غبار سے بچا سکے حالانکہ وہ ہمیں ہرگز نہیں بچا سکتے

اس کے بعد جب آپؓ کی وفات کا وقت قریب آیا اور زندگی سے مایوسی بڑھتی گئی تو آپ نے اپنی بیٹیوں کو نصیحت کرتے ہوئے ایک قصیدہ لکھا تھا اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تمنی ابنتای ان یعیش ابوھما | وھل انا الا من ربیعۃ أو مضرؓ

فقوما فقولا بالذی قد علمتما | ولا تخمشا وجہا ولا تحلقا شعر

وقولا ھو المرء الذی لا صدیقہ | اضاع ولا خان الصدیق ولا غدر

الی الحول ثم اسم السلام علیکما | ومن یبک حولاً کاملاً فقد اعتذر

۱۔ میری دونوں بیٹیوں کی یہ تمنا ہے کہ ان کا باپ زندہ رہے حالانکہ میرا تعلق تو قبیلہ ربیعہ و مضر سے ہے۔

۲۔ سنو! میری بیٹیو! میری وفات کے بعد تم دونوں اٹھنا اور میرے کارناموں کو بیان کرنا اپنے رخسار مت نوچنا اور اپنے بال نہ منڈوانا۔

۳۔ اور یہ کہنا کہ وہ تو ایک ایسا باوفا دوست تھا جس نے کبھی اپنے دوست کے ساتھ خیانت و غداری نہیں کی۔

۴۔ پورے سال تم ایسا کرنا پھر "تمہیں اجازت ہے" خدا تم دونوں کو سلامت رکھے کیونکہ جو شخص پورے سال روئے گا یقیناً قابل معافی ہے۔

مذکورہ بالا اشعار و قصائد کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ لبیدؓ نے قبول اسلام کے بعد بھی شاعری کی ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ شاعری جاہلی شاعری سے بالکل مختلف ہے یہی وجہ ہے کہ غزل یا تشبیب کا کوئی شعر یا مدحیہ قصیدہ کہیں نہیں ملتا کیونکہ قبول اسلام کے بعد ان کے دل و دماغ میں عشق رسول و محبت الٰہی نے جگہ

پالی تھی۔ عشقِ حقیقی کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے اسی لئے عشقِ مجازی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور بیجا مدح و ستائش سے گریز کرنے لگے تھے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ولید کے خط کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔

جن لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لبیدؓ نے قبولِ اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک خاص طرز کی شاعری مراد لیتے ہیں جسے لبیدؓ نے واقعتہً ترک کر دیا تھا قدیم روایات کی پاسداری ان کی اسلامی شاعری کا ہیں کہیں نہیں ملتی جاہلی اندازِ بیان کو چھوڑ کر ایک خاص رنگ و آہنگ کی شاعری کی ہے اسی لئے ان کے یہاں جاہلی انداز کے اشعار کی تلاش عبث تھی اور شاید اسی وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ انھوں نے شاعری ترک کر دی یعنی جاہلی انداز کی شاعری۔

دورِ جدید کے بعض مورخین نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اس رائے پر شک کا اظہار کیا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ قبولِ اسلام کے بعد لبیدؓ نے بالکلیہ شاعری ترک کر دی ہو کیونکہ اسلام تو صرف مخصوص قسم کی شاعری کا منافی ہے لیکن ان کے پاس ایسے ثبوت نہیں تھے جن کی روشنی میں وہ ٹھوک انداز میں وہ یہ لکھتے کہ لبیدؓ نے قبولِ اسلام کے بعد بھی شاعری کی ہے مثال کے طور پر مشہور ادیب و انشاء پرداز احمد حسن الزیات کو ان کی "تاریخ الادب العربی" میں دیکھا جا سکتا ہے [۱۹]

اسی طرح بطرس بستانی نے بھی "ادباء العرب [۲۰]" میں معمولی شک کا اظہار کرتے ہوئے کوئی قطعی رائے دینے سے گریز کیا ہے البتہ ڈاکٹر احسان عباس نے "شرح دیوان لبید بن ربیعۃ العامری" میں کسی قدر وضاحت کے ساتھ لبید کی شاعری اور مذہب پر بحث کرتے ہوئے دونوں میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے [۲۱]

بہرکیف ...... دلائل و براہین کی روشنی میں قطعی طور سے ثابت

ہوتا ہے کہ لبیدؓ نے قبولِ اسلام کے بعد بھی دادِ سخن دی ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان کی اسلامی شاعری کمیت کے لحاظ سے جاہلی شاعری کی بہ نسبت بہت ہی کم بلکہ نہیں کے برابر ہے۔ نیز اسلوبِ بیان، رنگ و آہنگ اور مضمون آفرینی کے لحاظ سے بھی جاہلی شاعری سے بالکل مختلف ہے لیکن اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لبیدؓ نے شاعری ترک کر دی یا مذکورہ ایک شعر کے علاوہ کوئی دوسرا شعر کہا ہی نہیں مورخین کی یہ رائے ذہنی کم مائیگی کے ساتھ ساتھ ان کی غیر تحقیقی مقلدانہ روش کی غماز نیز تاریخ اور فن دونوں کے ساتھ سراسر نا انصافی کا بین ثبوت ہے۔

دورِ حاضر کے محققین و ناقدینِ فن کو اس پر مزید تحقیق کر کے اس عام غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہئے اور لبیدؓ کی اسلامی شاعری کو منظرِ عام پر لاتے ہوئے اس کی ادبی و فنی قدر و قیمت کا تعین کرنا چاہئے "وما علینا الا البلاغ"

حواشی و حوالہ جات

۱؎ عمر فروخ تاریخ الادب العربی ج ۱ ص ۲۳۱ دار العلم للملایین بیروت ۱۹۶۹ء

۲؎ طلعت حرب تاریخ دول العرب والاسلام ج ۱ ص ۲۵ مطبع انوار احمدی الہ آباد

۳؎ ابو الفرج الاصبہانی الاغانی ج ۱۵ ص ۳۰۳ دار الثقافۃ بیروت ۱۹۵۶ء

۴؎ الزوزنی شرح المعلقات السبع ص ۹ بیروت ۱۹۵۰ء

۵؎ محمد ابن سلام طبقات الشعراء ص ۲۱ المطبعۃ لبریل فی مدینۃ لیدن ۱۹۱۳ء

۶؎ ابو الفرج ایضاً ص ۲۹۹ [illegible]

۸؎ ابو الفرج ایضاً ۹؎ ڈاکٹر احسان عباس شرح دیوان لبید ص ۳۵۶ کویت ۱۹۶۲ء ۱۰؎ ابن سلام ایضاً ص ۳۰ ۱۱؎ شبلی نعمانی انتقاد و تنقید دوم ص ۲۱ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء ۱۲؎ ابو الفرج ایضاً ص ۳۰۹ ۱۳؎ عمر فروخ ایضاً ص ۲۳۲ ۱۴؎ حنا الفاخوری تاریخ الادب العربی ص ۱۸۵ ۱۵؎ شرح دیوان لبید ایضاً ص ۳۵۰ ۱۶؎ یوسف ضیاء الدین دیوان لبید ص ۲۱-۲۵ دین اکیڈمی ۱۹۹۹ء

یہ قصیدہ کل ۱۵ اشعار پر مشتمل ہے۔

بقیہ صفحہ ۳ پر

فن جراحت کے ارتقاء میں امام زہراوی کا رول

الارقم فلاحی

امام زہراوی کا پورا نام ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی ہے آپ اندلس میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما ہوئی اور وہیں انتقال بھی ہوا۔

آپ کا شمار فن آپریشن کے ممتاز ماہرین و محققین میں ہوتا ہے۔ آپ سے پہلے یہ فن حکماء کی نظر میں ایک حقیر پیشہ تھا۔ ڈاکٹر اور حکماء اس سے اجتناب کرتے تھے اور عموماً آپریشن نائی اور حجام کیا کرتے تھے آپ کی کتاب "التصریف" کے بعد بتدریج یہ فن ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ طبی علوم میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔

(دیکھئے: الطب عند العرب والمسلمین ص۱۰۵،۱۰۶)

آپ نے سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپریشن کے نت نئے طریقے دریافت کئے اور آپریشن کے متعدد آلات بنائے، جن کے طریقہ استعمال پر بھی آپ نے واضح اور تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ فن آپریشن کے ارتقاء میں آپ کی حیثیت ایک قائد کی ہے آپ کے تجربات و اکتشافات سے صرف مسلم اطباء نے ہی نہیں بلکہ مغربی ڈاکٹروں نے بھی استفادہ کیا ہے چنانچہ آپ کی کتاب کو یورپ میں تقریباً پانچ صدیوں تک مرجع کی حیثیت حاصل رہی۔ لاطینی، عبرانی، اور متعدد دیگر زبانوں میں اس کے ترجمے کئی بار شائع ہوئے۔

(دراسات فی تاریخ العلوم عند العرب حکمت نجیب عبدالرحمن ص۵۶،۵۷)

آپ کی اس کتاب کی تیسویں فصل آپریشن سے متعلق ہے اور آپ سب سے پہلے مؤلف ہیں جنہوں نے آپریشن کا مستقل ایک باب قائم کیا ہے۔ محمود قاسم لکھتے ہیں۔

"اعتبر الزهراوي بحق اول من فرق بين الجراحة وغيرها من المواضيع الطبية" (الطب عند العرب والمسلمین ص[illegible])

امام زہراوی سب سے پہلے طبیب ہیں جنہوں نے آپریشن کے مسائل اور طب کے دیگر مسائل کے درمیان فرق کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب رقم طراز ہیں۔

"ان عظمة الزهراوي تكمن في انه اول من عني بالجراحة وجعلها فرعا مستقلا" فن طب میں جراحت پر سب سے پہلے جس کی نظر گئی وہ زہراوی ہیں یہ اولیت ان کی عظمت شان کی دلیل ہے۔ انھوں نے اسے ایک مستقل فن کی حیثیت دی ہے۔

آپ نے اپنی اس کتاب کے ذریعہ آپریشن کے ارتقاء و ترقی کا راستہ ہموار کیا چنانچہ آپ کے بعد آنے والے سرجن خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم کوئی بھی آپ کی اس کتاب سے بے نیاز نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر ہالر لکھتے ہیں: "چودہویں صدی کے بعد آنے والے تمام یورپی سرجنوں نے آپ ہی کی کتاب سے استفادہ کیا ہے"۔

ایک دوسرے محقق رقم طراز ہیں: عہد وسطیٰ میں اس فن پر لکھی جانے والی کتابیں آپ ہی کی کتابوں کی خوشہ چیں ہیں۔

(الاسناد العلمي في الجيوش العربية الاسلامية - ڈاکٹر [illegible])

آپ نے اپنی اس کتاب میں سابقہ تجربات کے ساتھ ساتھ، آنکھ، ناک، کان، منہ، دانت، حنجرہ، پیٹ وغیرہ کے آپریشن کا طریقہ اور اس کی کیفیت اور اس میں استعمال ہونے والے آلات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپریشن سے ہونے والے رد عمل سے بچنے کی تدابیر و احتیاطات کا ذکر بھی آپ نے ہر آپریشن کے طریقہ کے ساتھ کیا ہے۔

(فضل علماء المسلمین علی الحضارة الاوربية - ڈاکٹر عزالدین فراج ص۲۳۶)

آپ کے ایجاد کردہ آلات و طریقہ ہائے جراحت کا ذکر اس مختصر سی بحث میں مشکل ہے۔

لیکن چند اہم امور درج ذیل ہیں۔

۱۔ آپ وہ سب سے پہلے جراح ہیں جنہوں نے مستقل رسنے والے خون کو روکنے کے لئے ان اچھلنے والی رگوں کو باندھنے کا حکم دیا جس میں سرخ رنگ کا دوران ہوتا ہے لیکن اس طریقہ علاج کی دریافت فرانسیسی جراح امبروازپارے کی جانب منسوب کر دی گئی جو آپ کے چھ صدیوں بعد آئے ہیں۔ (دیکھئے: تاریخ العلوم عند العرب: حکمت نجیب عبدالرحمن: ص ۵۵)

۲۔ آپ سب سے پہلے طبیب ہیں جنہوں نے عورتوں کے خاص مرض "وضع ولادت" کی تحقیق اور اس کا علاج دریافت کیا۔ لیکن یہ چیز یورپی "ڈاکٹر والتر" کی جانب منسوب کر دی گئی۔ (اعلام العرب والمسلمین فی الطب، ڈاکٹر اسد قادح ص ۵۳)

۳۔ دانتوں کی درستگی اور ان کی اصلاح کے سلسلہ میں آپ نے جس دقت و باریک بینی سے اپنی کتاب "تصریف" کی تیسویں فصل میں بحث کی ہے وہ بے نظیر ہے اور آپ سے پہلے کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا تھا۔ نیز زبان کے نیچے مینڈک کی شکل میں ہونے والی سوجن کے علاج کا طریقہ بھی سب سے پہلے آپ نے ہی دریافت کیا ہے (الجراحة عند الزہراوی۔ ڈاکٹر احمد مختار منصور ص ۴۲)

۴۔ پیشاب کی نالیوں کے آپریشن کے سلسلے میں آپ نے مثانہ کو دھلنے کا طریقہ دریافت کیا اور اس کے لئے بعض آلات بھی آپ نے بنائے جو آج تک مستعمل ہیں۔ (احکام الجراحة الطبیة: ص ۶۲)

پہلی قسط

نصرانیت

انیس احمد فلاحی

تعریف:- فلسطین میں ایک گاؤں "ناصرہ" ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اس گاؤں کو نصوریہ اور نصرانہ بھی کہا جاتا ہے، اسی گاؤں کی نسبت سے دین عیسوی کو نصرانیت کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:- مذہبی اصطلاح میں ان نصرانیوں کے دین کو نصرانیت کہا جاتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی لائی ہوئی انجیل کو بطور شریعت واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

قرآن میں اس دین کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہا گیا ہے اور اہل کتاب واہل انجیل کے نام سے بھی ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن مسیح علیہ السلام اور دین مسیحی کی نسبت سے یہ لوگ خود اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں — جب کہ یہ نام نہ قرآن میں کہیں آیا ہے نہ حدیث میں نہ ان کے حالات و واقعات ہی کو اس نام سے کوئی مناسبت ہے۔

دینی خصوصیت:- عیسیٰ علیہ السلام نسلاً اسرائیلی تھے، بنی اسرائیل کی جانب ہی انہیں مبعوث بھی کیا گیا تھا اس لئے ان کی شریعت کوئی نئی شریعت نہیں تھی بلکہ شریعت موسوی کا تتمہ اور تکملہ تھی۔ قرآن کہتا ہے۔

ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل تا هذا صراط مستقیم

یہ نصرانیت کی حقیقت اور اس کی اصل و اساس ہے، یعنی بنیادی طور پر وہ ایک آسمانی مذہب ہے جو اللہ کی عبادت اور توحید کو لے کر برپا ہوا، اور توریت وانجیل کی تعلیمات و ہدایات کے مطابق ہی زندگی کی تنظیمی بنیاد استوار کی۔

نصرانیت کے بارے میں قرآن کریم کی تقریر کا یہی خلاصہ ہے، جہاں تک موجودہ اناجیل کا تعلق ہے وہ اگرچہ تحریف و تبدیل کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں، پھر بھی ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی دعوت کا مرکزی موضوع صرف دو چیزیں تھیں۔

۱۔ ماسوا سے توبہ کر کے شریعت موسوی کی روح کو اپنی زندگی میں اتارنا سمونا۔

۲۔ اس بات کی بشارت کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کا وہ وقت قریب آچکا ہے، جب عدل و مساوات کا بول بالا ہوگا۔

دعوت مسیح کے یہ دونوں مرکزی موضوع عیسائیوں کے موجودہ عقائد کے یکسر منافی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ان عقائد کا انتساب محض افتراء و بہتان ہے۔

عقائد کی بنیاد:۔ عیسیٰ علیہ السلام توحید کا عقیدہ لے کر آئے تھے، لیکن نصرانیوں نے اسے غلط رخ دے کر بت پرستی میں تبدیل کر دیا، جب کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس تحریف و انحراف کی ابتداء اس وقت ہوئی جب رفع مسیح کے بعد پولس نے نصرانی مذہب قبول کیا یعنی محرف نصرانیت کے موجودہ عقائد رفع مسیح کے پانچ سو سال بعد کی پیداوار ہیں یہ عقائد تین ہیں۔

۱۔ تثلیث و اتحاد ۲۔ صلیب و فدیہ ۳۔ محاسبۂ مسیح۔

تثلیث:۔ عقیدۂ تثلیث ہی محرف نصرانیت کی اصل و اساس ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تین کا تیسرا ہے یعنی اس کی تین اصلیں ہیں ۱۔ اب ۲۔ ابن ۳۔ روح القدس۔

۱۔ اب سے مراد ذات الٰہی ہے جو ابن اور روح القدس سے مجرد و مبرا ہوکر صورت میں ہو، یہی ابن کے وجود کا مبدأ و منبع ہے حالانکہ وہ اس بات کے قائل نہیں کہ وجود کے اعتبار سے اب کو ابن کے مقابلہ میں اولیت و اسبقیت حاصل ہے بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اب کے ساتھ ابن بھی ازلی ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر اولیت و اسبقیت نہیں رکھتا۔

۲۔ ابن۔ ابن سے مراد کلمۃ اللہ کا جسدی روپ ہے اور یہ جسدی روپ مسیح علیہ السلام ہیں۔

ان کا عقیدہ ہے کہ وجود کے اعتبار سے ابن و اب دونوں ہمسر و ہم مرتبہ ہیں، ابن ہی سے اتمام تخلیق ہوا اور وہی انسانی روپ میں تمام انسانوں کا فدیہ بن کر روئے زمین پر آیا، لہٰذا قیامت کے دن وہی تمام انسانوں کے محاسب اور تطہیر کا ذمہ دار ہوگا۔

۳۔ روح القدس سے مراد اب اور ابن کی صفت حیات و محبت ہے، اب اور ابن کے ساتھ یہ بھی ازلی ہے۔ اور پیروان مسیح کی نصرت و تائید اس کا وظیفہ ہے۔

ان کے اس عقیدہ کی رو سے اللہ کی تین شبیہیں ہیں، ایک ذات الٰہی جس کو وہ اب کہتے ہیں، دوسرے کلمۃ اللہ جس کو ابن سے تعبیر کرتے ہیں تیسرے اب و ابن کی صفت حیات و محبت جس کو روح القدس کا نام دیتے ہیں۔ یہی تین کا مجموعہ ان کے نزدیک اللہ واحد ہے اور یہ واحد تین میں مشترک ہے۔

اس عقیدہ کا مفہوم و مدعا اتنا گنجلک ہے کہ آج تک ایک چیستاں بنا ہوا ہے نہ اجمالاً ہی اس کا کوئی مفہوم عقل و قیاس کو مطمئن کرتا ہے نہ تفصیلاً ہی اس کی کوئی معقول توجیہ ممکن ہے کیونکہ ایک کبھی تین نہیں ہو سکتا اور تین کبھی ایک نہیں ہو سکتا اسی لئے عیسائی علماء اس تثلیث و اتحاد کی شرعی دلیل تو کجا عقلی دلیل بھی فراہم نہ کر سکے، ان میں جن لوگوں نے مثالوں کے ذریعہ اس کی کچھ توضیح کی ہے وہ سراسر غلط ہے اور خود عیسائی عقیدہ کے خلاف ہے، اسی بنا پر اکثر کیتھولک عیسائی علماء نے اس عقیدہ کی تفسیر و توضیح سے انکار کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ تین کو ایک ماننا اور ایک کو تین ماننا ایسا سربستہ جہانِ راز ہے جہاں انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو پیام توحید لے کر آئے تھے اسے انھوں نے بھی پس پشت ڈال دیا اور بت پرستی اختیار کر لی، لیکن تورات و انجیل میں چونکہ بت پرستی جیسے مظاہر شرک کی سخت مذمت کی گئی تھی، اس لئے اپنی پیشانی پہ شرک کا داغ دیکھنا ان کو گوارا نہ ہوا اور آنکھ میں دھول جھونکنے کے لئے تثلیث کو توحید کا نام دے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ سرتاپا شرک ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ ... عذاب الیم   مزید فرمایا

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم"

ان کا عقیدہ درحقیقت شرک کا عقیدہ ہے اور اللہ کو چھوڑ کر انھوں نے عیسیٰ مسیح کو اپنا معبود بنا لیا ہے حالانکہ ان مشرکانہ عقائد کی تائید ان اناجیل سے بھی نہیں ہوتی جس کی وہ تلاوت کرتے ہیں، اور جس میں وہ تحریف کر چکے ہیں۔ پھر جن نصوص سے وہ ان مشرکانہ عقائد پر استدلال کرتے ہیں وہ ایسی اہم چیز کے اثبات کے لئے قابل اعتماد نہیں ہو سکتے، جب کہ ان کے مقابلہ میں مسیح علیہ السلام سے ثابت شدہ سیکڑوں نصوص اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

بقیہ: لبید کی اسلامی شاعری

۱۵ ایضاً ص ۱۳۔۱۴ کل ، شعراء عرب ۱۶ احمد حسن الزیات تاریخ الادب العربی ص ۶۹

الطبعۃ الرابعۃ والعشرین ۱۷ پطرس بستانی ادباء العرب مقام و سن اشاعت مجہول

۱۸ ڈاکٹر احسان عباس محولہ بالا ص ۳۰

رجاء بن حیوۃ

ابو جلیس ندوی

تابعین کے عہد میں یوں تو متعدد ہستیاں ایسی گذری ہیں جن کے مجد و شرف، عظمت و بزرگی، فضل و کمال اور دینی جاہ و جلال کا دنیا نے اعتراف کیا، لیکن ان میں تین شخصیتیں ایسی تھیں جو سیرت کی کس کی طرح ممتاز و منفرد تھیں، دنیا نے دوبارہ ان کی نظیر دیکھی، نہ ان کا کوئی ہم پایہ ہم مثل دیکھا ایسا لگتا ہے کہ وہ تینوں باہم کوئی معاہدہ کر کے ایک ساتھ آئے اور خیر و صلاح نیکی و پرہیزگاری، رشد و ہدایت اور علم و عمل کی چاندنی بکھیر کر دنیا سے رخصت ہو گئے، عراق میں محمد بن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد بن ابوبکر اور شام میں رجاء بن حیوۃ۔

آئیے آج رجاء بن حیوۃ کے واقعات حیات کی قندیلوں سے ہم اپنی زندگی کی گلیاں روشن کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور تھا کہ فلسطین میں رجاء بن حیوۃ پیدا ہوئے عادات و اطوار میں بچپن ہی سے تقویٰ کی کرن پھوٹتی تھی اور علمی ذوق و شوق ان کے مستقبل کے پربت پر سورج اگا رہا تھا، علوم قرآن میں مہارت ان کی زندگی کی غایت اور فن حدیث میں کمال حاصل کرنا ان کی سب سے بڑی آرزو تھی، چنانچہ قرآنی بصیرت سے ان کی فکر کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا اور سنت نبوی میں انتغال و انہماک کی وجہ سے ان کی سیرت میں صحابیت کی شان جمال پیدا ہو گئی اور ان کا سینہ حکمت و موعظت کا گنجینہ بن گیا اور جسے اللہ نے حکمت سے نوازا اسے گویا دنیا بھر کی بھلائیاں مل گئیں۔

رجاء بن حیوۃ کو متعدد صحابہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، ابو سعید خدری، ابو الدرداء، ابو امامہ، عبادہ بن صامت، معاویہ بن ابو سفیان، عبداللہ بن عمرو بن العاص

اور نواس بن سمعان وغیرہ سے حدیثیں سنیں اور ان ہی لوگوں کو اپنا مقتدا بنایا۔

انھوں نے اپنے لئے ایک دستور اور لائحہ عمل تیار کیا تھا اور تا حیات اسی دستور کے پابند رہے۔ اس دستور کی دفعات ملاحظہ ہوں۔

معتبر اسلام وہ ہے جو ایمان کے نور سے جگمگاتا ہو
معتبر ایمان وہ ہے جو تقوی کے حسن سے آراستہ ہو
معتبر تقوی وہ ہے جو علم کی روشنی سے خوشتاب ہو
معتبر علم وہ ہے جو عمل کی دولت سے مالا مال ہو
اور معتبر عمل وہ ہے جو میانہ روی کے جمال کا آئینہ دار ہو

اپنے فضل و کمال کی بدولت رجاء بن حیوۃ اکثر خلفاء بنو امیہ کے وزیر رہے آپ کی وزارت عبدالملک بن مروان سے لے کر عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک قائم رہی لیکن سلیمان بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز سے ان کے تعلقات زیادہ گہرے تھے۔ خلفاء بنو امیہ کے دلوں میں ان کی عظمت و محبت کی وجہ ان کی فکری برتری، نیک نیتی اور معاملات کو برتنے کا ان کا حکیمانہ انداز و طریقہ تھا، پھر ان تمام خوبیوں میں ان کا زہد و قناعت چار چاند لگا رہا تھا۔

ایک دن عبدالملک بن مروان کی مجلس میں رجاء بن حیوۃ بیٹھے تھے، کسی شخص کے بارے میں شکایت کی گئی کہ وہ بنو امیہ کو پسند نہیں کرتا بلکہ ان سے بغض رکھتا ہے اور عبداللہ بن زبیر کا حامی و شیدا ہے، اسی طرح کی کچھ اور آگ لگانے والی باتیں کی گئیں جس سے خلیفہ کا غضب و غصہ بھڑک اٹھا، خلیفہ نے اسے حاضر کئے جانے کا حکم دیا، تھوڑی دیر بعد ہی وہ خلیفہ کے روبرو کھڑا تھا، خلیفہ کی خشم آلود نگاہوں کا اشارہ تھا کہ تلوار اس کی گردن میں پیرا دی جائے، لیکن رجاء بن حیوۃ کھڑے ہو گئے عرض کیا۔

امیر المومنین! جو مقدرت آپ کو پسند تھی وہ اللہ نے آپ کو عطا کر دی۔ اس لئے آپ عفو و درگذر کا وہ شیوہ اپنائیے جو اللہ کو پسند ہے، یہ سنتے ہی خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا

ہو گیا، اسے معاف کر دیا بلکہ کچھ حسن سلوک بھی اس کے ساتھ کیا۔

ولید بن عبدالملک نے ۹۱ھ میں فریضہ حج ادا کیا، رجاء بن حیوۃ بھی ساتھ تھے، جب دونوں مسجد نبوی پہنچے تو عمر بن عبدالعزیز بھی آگئے وہ ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔ مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ تھا، اس لئے مسجد خالی کرا دی گئی تاکہ خلیفہ پوری مسجد کا جائزہ لے کر اس کی توسیع کا نقشہ اور اندازہ درست کر سکیں۔ مسجد نبوی سے تمام لوگوں کو باہر کر دیا گیا لیکن سعید بن مسیب اپنی جگہ بیٹھے رہے، اور کسی گارڈ کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ ان کو زبردستی باہر کر سکے عمر بن عبدالعزیز نے ان کو کہلا بھیجا کہ تھوڑی دیر کے لئے آپ بھی مسجد سے باہر چلے جاتے تو بہتر تھا، سعید بن مسیب نے جواب دیا کہ ہر روز جس وقت میں مسجد سے نکلتا ہوں اسی وقت آج بھی نکلوں گا۔ تب ان سے درخواست کی گئی کہ امیر المومنین ادھر آئیں تو آپ کھڑے ہو کر ان کو سلام عرض کریں۔

انھوں نے جواب دیا، میں یہاں اللہ کے سامنے قیام و قعود کے لئے آیا ہوں نہ کہ خلیفہ کے لئے۔ پھر عبدالعزیز نے سوچا کہ خلیفہ کو پوری مسجد نبوی کی زیارت اس طرح کرائیں کہ جہاں سعید بن مسیب بیٹھے ہیں وہاں سے خلیفہ کا گذر نہ ہو، عمر بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوۃ دونوں نے کوشش کی کہ خلیفہ کو گفتگو میں مشغول رکھیں اور سعید بن مسیب کی جانب ان کو متوجہ نہ ہونے دیں، لیکن خلیفہ پوچھ بیٹھے کہ وہ گوشہ میں بیٹھے ہوئے بزرگ کون ہیں؟ کیا وہی سعید بن مسیب ہیں، دونوں نے اثبات میں جواب دیا، اور ان کے فضل و شرف، علم و تقوی کے گن گانے لگے پھر دونوں نے کہا کہ ان کو معلوم نہیں ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے ہیں، ورنہ وہ سلام عرض کرنے کے لئے ضرور آپ کے پاس آتے، وجہ یہ ہے کہ ان کی بینائی کمزور ہو گئی ہے۔

ولید نے کہا، آئیے ہم لوگ ہی ان کے پاس چلیں اور ان کو سلام پیش کریں چنانچہ ان کے پاس پہنچ کر ولید نے سلام کیا اور پوچھا کہ شیخ کا مزاج کیسا ہے وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہی بولے، الحمد للہ، امیر المومنین کو اللہ اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے،

بتایئے آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ولید یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس لوٹا کہ واللہ یہ بقیۃ السلف ہیں۔

جب خلافت کی باگ ڈور سلیمان بن عبد الملک کے ہاتھ میں آئی تو رجاء بن حیوۃ کا مرتبہ اور بلند ہو گیا۔ کیونکہ سلیمان آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا حتیٰ کہ چھوٹے بڑے کسی بھی معاملے میں آپ سے مشورہ لئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا، چنانچہ سلیمان کے ساتھ مختلف مواقع پر آپ نے جو موقف اختیار کئے وہ بڑے سبق آموز اور امت کے حق میں بڑے خیر کا باعث ہوئے۔

رجاء بن حیوۃ کی زبانی ہی ایک واقعہ سنئے، وہ کہتے ہیں کہ

۹۹ ھ ماہ صفر میں جمعہ کے دن امیر المومنین کے ہمراہ ہم دابق میں تھے، روم سے جنگ کے دوران جہاں اسلامی فوجیں پڑاؤ ڈالتی تھیں، اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو سپہ سالار بنا کر انھوں نے ایک لشکر قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، اور قسم کھائی تھی کہ جب تک قسطنطنیہ فتح نہیں ہوگا وہ یہاں سے نہیں ہٹیں گے، چاہے موت ہی کیوں نہ آجائے۔ نماز جمعہ کا وقت آیا تو وضو کر کے سبز عبا قبا زیب تن کی اور سبز عمامہ باندھا اور نماز جمعہ کے لئے مسجد پہنچے۔ نماز پڑھا کر لوٹے تو بخار کے حملے سے بیتاب تھے مرض دن بہ دن شدت اختیار کرتا گیا، مجھ سے کہا کہ ہر وقت ان کے پاس موجود رہوں ایک دن ان کے پاس میں گیا تو دیکھا کچھ تحریر کر رہے ہیں۔

میں نے پوچھا امیر المومنین! کیا لکھ رہے ہیں؟

فرمایا! اپنے بیٹے ایوب کے لئے ولیعہدی لکھ رہا ہوں

میں نے کہا، امیر المومنین! جو چیز آپ کو قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے اور اللہ کے پاس آپ کو بری الذمہ قرار دے وہ صرف یہ ہے کہ آپ کسی نیک اور صالح شخص کو خلیفہ نامزد کریں۔ آپ کا لڑکا ایوب ابھی سن رشد تک نہیں پہونچا ہے اور اس کی صالحیت بھی ابھی اجاگر نہیں ہو سکی ہے۔

خلیفہ نے کہا، میں تو لکھ چکا ہوں، لیکن تم کہتے ہو تو اب استخارہ کروں گا، پھر تحریر پھاڑ دی۔ ایک دو دن کے بعد پھر مجھے بلایا اور پوچھا کہ میرے بیٹے داؤد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

میں نے کہا، وہ اسلامی فوج کے ساتھ اس وقت قسطنطنیہ میں ہے، نہیں معلوم وہ زندہ ہے یا مردہ۔

خلیفہ نے کہا۔ تب تم ہی بتاؤ، تمہاری رائے میں کون مناسب ترین ہوگا۔

میں نے کہا، امیر المومنین! رائے تو آپ ہی کو طے کرنی ہے۔

حقیقتاً میں چاہتا تھا کہ جن لوگوں کا وہ نام لیتے جائیں ان میں سے ایک ایک کو غیر لائق ثابت کرتا جاؤں تا آنکہ عمر بن عبد العزیز کی جانب آپ کا ذہن منتقل ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا، بہت غور و فکر کے بعد پھر خلیفہ نے کہا، عمر بن عبد العزیز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

میں نے کہا بخدا ان کے جیسا عالم و فاضل، عاقل و کامل اور دیندار کوئی نہیں۔

خلیفہ نے کہا تم سچ کہتے ہو، لیکن اگر میں ان کو ولیعہد بناؤں اور عبد الملک کے لڑکوں کو نظر انداز کر دوں تو بڑا فتنہ برپا ہوگا، وہ کبھی اس کو گوارا نہیں کریں گے۔

میں نے کہا، ان میں سے کسی ایک کو ولیعہدی میں ان کے ساتھ شریک کر دیجئے اور ان کے بعد اسکی ولیعہدی کا پروانہ لکھ دیجئے۔

خلیفہ نے کہا، تم سچ کہتے ہو، یہ چیز ان کو مطمئن کر دے گی۔ اور وہ رضامند ہو جائیں گے پھر انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ اللہ کے بندے سلیمان بن عبد الملک امیر المومنین کا مکتوب ہے، عمر بن عبد العزیز کے نام میرے بعد وہ میرے ولیعہد ہوں گے اور ان کے بعد یزید بن عبد الملک ولیعہد ہوں گے، آپ لوگ سمع و طاعت کی راہ پر قائم رہیں، اللہ کا تقویٰ اختیار کریں

اور باہم اختلاف سے بچیں کہ دشمنوں کی نگاہیں کسی لالچ سے آپ کی جانب نہ اٹھ سکیں
مکتوب لکھ کر مرے حوالے کیا اور پولیس کانسٹیبل کعب بن حامز کو بلایا، اس سے
کہا مرے تمام گھر والوں کو اکٹھا کرو، اور ان سے کہو کہ جو مکتوب رجاء بن حیوۃ کے ہاتھ
میں ہے وہ میرا لکھا ہوا ہے انہیں حکم دو کہ میں نے جس کے نام ولیعہدی لکھ دی ہے
اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

رجاء نے کہا جب سب لوگ اکٹھا ہو گئے تو میں نے کہا۔

یہ امیرالمومنین کا مکتوب ہے، یہ ولیعہدی کا پروانہ ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس
مکتوب میں جس کے لئے ولیعہدی لکھی گئی ہے، اس کے لئے آپ سب لوگوں سے
بیعت کا اقرار لوں۔

سب نے کہا امیرالمومنین کا حکم عزت و احترام کے سر پر، اور ان کے بعد ہونے والے
خلیفہ کی اطاعت کا قلادہ ہماری گردنوں میں۔ پھر سب نے اجازت چاہی کہ امیرالمومنین
کو سلام کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

میں نے کہا۔ چلئے پھر سب لوگ امیرالمومنین کے پاس پہنچے، امیرالمومنین نے
ان سے کہا کہ جو مکتوب رجاء بن حیوۃ کے ہاتھ میں ہے وہ میرا تحریر کردہ ہے۔ میں نے
جس کو اپنا ولیعہد مقرر کیا ہے۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اس کی اطاعت کرنا۔

پھر ایک ایک کر کے سب بیعت کرنے لگے۔

اس کے بعد مہر بند مکتوب لے کر میں باہر آیا، میرے اور امیرالمومنین کے علاوہ
کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس میں کیا ہے، جب تمام لوگ جا چکے تو عمر بن عبدالعزیز میرے
پاس آئے اور کہنے لگے کہ، دیکھئے امیرالمومنین کو میرے بارے میں کچھ خوش گمانی ہو گئی ہے
اسی لئے وہ مجھ سے بہت محبت کا معاملہ کیا کرتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اس اہم ترین
ذمہ داری کا بوجھ میرے سر نہ آ جائے۔ اس لئے تمہیں اللہ کا واسطہ اور ہماری باہمی دوستی
و محبت کا واسطہ بتاؤ! امیرالمومنین کے مکتوب میں میرے خصوص سے تو کوئی بات مذکور

نہیں ہے، تم اگر ابھی بتا دو تو میں امیرالمومنین سے اپنی معذوری ظاہر کر کے اس سے
چھٹکارا حاصل کر لوں گا ورنہ پھر موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

میں نے ان کو جواب دیا۔

بخدا جو بات آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک
حرف بھی میں زبان سے نہیں نکالوں گا۔

یہ سن کر وہ خفا ہوتے اور واپس چلے گئے۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی ہشام بن عبدالملک آیا، اس نے کہا دیکھو
رجاء ہمارا یارانہ بہت دیرینہ ہے پھر میں تمہارا بہت ہی شکر گذار رہوں گا اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ
امیرالمومنین کے مکتوب گرامی میں کیا کچھ ہے؟ اگر ولیعہدی ہماری ہے تب تو کوئی بات نہیں،
میں خاموش رہوں گا، اور اگر کسی دوسرے کی ہے تو پھر ان سے گفتگو کروں گا، بھلا
مجھ جیسا بھی کوئی ہے جو اس ولیعہدی کا سزاوار ہو، تم مجھے بتا دو، میں عہد کرتا ہوں کہ
تمہارا نام کسی سے ظاہر نہیں کروں گا۔

میں نے کہا: امیرالمومنین کے کسی راز کا ایک حرف بھی میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔

وہ غصہ سے تلملایا ہوا ہاتھ پر ہاتھ مارتا اور یہ بکتے ہوئے واپس گیا کہ

اگر میں اس کا سزاوار نہیں تو بھلا دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ کیا خلافت عبدالملک
کی اولاد سے چھن جائے گی۔

بخدا عبدالملک کی اولاد میں سب سے افضل و برتر میں ہی ہوں۔ اب میں سلیمان بن
عبدالملک کے پاس گیا ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، میں نے ان کو قبلہ رو کیا، وہ
ہچکیاں لیتے ہوئے بولے۔

رجاء! وقت ابھی نہیں آیا ہے۔

میں نے دو بار ایسا کیا، تیسری بار جب ایسا کیا تو وہ بولے۔

رجاء اب وقت آ گیا ہے کچھ کرنا چاہتے ہو تو کرو، اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد

رسول اللہ میں نے ان کا رخ قبلہ کی جانب کر دیا۔ اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

میں نے ان کی آنکھیں بند کر دیں اور سبز رنگ کی چادر سے ان کو ڈھک دیا اور دروازہ بند کر کے باہر آیا۔

ان کی بیوی نے مجھ سے ان کا حال پوچھوایا اور ان کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی میں نے دروازہ کھول کر قاصد کو دکھایا اور کہا کہ طویل بیداری کے بعد وہ آج ابھی سوئے ہیں، اس لئے ابھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ قاصد نے جا کے ان کو صورت حال بتائی تو وہ مطمئن ہو گئیں، انھوں نے یقین کر لیا کہ وہ سچ مچ سو رہے ہیں، پھر میں نے دروازہ بند کر دیا اور ایک معتمد گارڈ کو وہاں بٹھا دیا اور اسے تاکید کر دی کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں وہ دروازہ چھوڑ کر کہیں نہ جائے، اور کسی کو بھی خلیفہ کے پاس نہ جانے دے۔

گارڈ کو یہ تاکید کر کے میں باہر نکلا، لوگوں نے امیر المومنین کی خیریت معلوم کی تو میں نے کہا۔

جب سے بیمار ہوئے مسلسل تکلیف میں تھے، لیکن آج انھیں مکمل سکون ہے لوگوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

پھر میں نے ہیڈ کانسٹیبل کعب بن حامز کو بلوایا، انھوں نے تمام گھر والوں کو دابق کی جامع مسجد میں جمع کیا۔

میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ امیر المومنین نے ولیعہدی جس کو لکھی ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

گھر والوں نے کہا، ایک بار تو بیعت کر چکے ہیں، کیا دوبارہ بیعت کریں۔

میں نے کہا یہ امیر المومنین کا حکم ہے اس لئے جس کے لئے بیعت کا حکم ہے اس کے لئے بیعت کرو۔

پھر لوگوں نے ایک ایک کر کے اس کے لئے بیعت کی جس کا مہر بند مکتوب

میں نام لکھا ہوا ہے۔

پھر جب میں نے دیکھا کہ معاملہ مستحکم ہو چکا ہے تو کہا کہ تمہارے خلیفہ فوت ہو گئے انا للہ... پھر خط پڑھ کر میں نے سب کو سنایا۔ جب عمر بن عبد العزیز کا نام آیا تو ہشام بن عبد الملک چیخ پڑا کہ ہم کبھی بیعت نہیں کریں گے۔

تب میں نے کہا کہ بخدا تمہاری گردن اڑا دی جائے گی ورنہ اٹھو اور بیعت کرو۔

پھر وہ جبراً اٹھا اور عمر بن عبد العزیز کے پاس پہونچا تو انا للہ پڑھا کہ خلافت عبد الملک کی اولاد کو نہ ملی ادھر عمر بن عبد العزیز نے بھی انا للہ پڑھا کہ خلافت کی ذمہ داری نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سر آ گئی۔

اس طرح رجاء بن حیوۃ کی دانشمندی اور جرأت سے یہ بیعت پایۂ تکمیل تک پہونچی، جس نے اسلام کو دوبارہ نئی زندگی بخشی دین کو سربلندی حاصل ہوئی اور ساری دنیا کو اسلام کی رحمت کی چھاؤں نصیب ہوئی۔

سلیمان بن عبد الملک کو اللہ اپنی رضا و رحمت کی جنت عطا کرے کہ انھوں نے ایک مرد صالح کو مسلمانوں کا خلیفہ نامزد کیا اور ان کے راست باز اور راست رو وزیر رجاء بن حیوۃ کو بھی اپنے قرب اور خوشی کا چمن عطا کرے کہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ اخلاص کا برتاؤ کیا۔ اور اللہ اور رسول کے لئے بھی ان کی زندگی اخلاص کا نمونہ تھی۔

اللہ دونوں کو آخرت کی شاد کامیوں سے بہرہ اندوز کرے آمین۔

مولانا ابوبکر اصلاحی مرحوم

نظام الدین اصلاحی

مولانا مرحوم کی پیدائش اعظم گڑھ ضلع کے ایک گاؤں بینا پارہ میں ۱۹۳۲ء میں ہوئی آپ کی ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں ہوئی اس کے بعد مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے جو ان کے گاؤں سے کم و بیش ۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے مولانا کے اساتذہ میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا شبلی متکلم ندویؒ، مولانا عبدالصمد ندویؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد مرحوم مختلف علمی کاموں میں مصروف رہے تقسیم ہند سے بہت پہلے جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے ۱۹۴۶ء میں پہلی مرتبہ مدرسۃ الاصلاح میں بغرض مدرس بلائے گئے یہ وقت وہ تھا جب مدرسۃ الاصلاح کے کچھ مشفق اور سینئر اساتذہ بیک وقت علیحدہ کر دیے گئے اور اس فیصلے سے متاثر ہو کر مولانا شبلی متکلم مرحوم بھی مدرسہ سے مستعفی ہو گئے کیونکہ مذکورہ اساتذہ مولانا شبلی متکلم صاحب کے خاص رفقاء کار تھے اور مولانا ہی اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے ان کو اعتماد میں لئے بغیر جب ان کے رفقاء کار کو علیحدہ کر دیا گیا تو وہ خود بھی احتجاجاً مستعفی ہو گئے اس طرح یک بیک اونچے اساتذہ کی جگہیں خالی ہو گئیں مدرسہ کے ناظم مولانا بدرالدین صاحب اصلاحی نے مولانا مودودیؒ سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ کے لئے افراد فراہم کریں چنانچہ باہمی بات چیت سے جن لوگوں کو مولانا مودودیؒ نے مدرسۃ الاصلاح میں بھیجا وہ ہیں مولانا ابواللیث صاحب اکرہ سے مولانا صدرالدین پٹھان کوٹ سے، مولانا جلیل احسن صاحب بریلی سے اور مولانا ابوبکر صاحب بستی سے ان لوگوں نے مدرسہ کو سنبھالا مولانا اختر احسن صاحب مرحوم نے بہت کوشش کی کہ مولانا ابواللیث

صاحب مدرسہ کی صدارت قبول کر لیں لیکن مولانا تیار نہ ہوئے چنانچہ مولانا اختر احسن صاحب صدر بنا دیے گئے۔ مولانا ابوبکر صاحب مرحوم سالوں مدرسہ پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے کچھ دنوں صدر بھی رہے ساتھ ہی جماعت اسلامی نے مولانا کو اعزازی ناظم ضلع بھی بنا دیا تھا اور راقم الحروف کو ان کا معاون بنایا گیا بعد میں جماعت کے مطالبہ اور ذمہ داران مدرسہ کی باہمی رضامندی سے فارغ ناظم اضلاع بنا دیا گیا اور مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے کچھ سالوں کے بعد مولانا مرزاپور، بنارس، غازی پور، اعظم گڑھ کے ناظم علاقہ بھی رہے یہ کہنا مبالغہ سے خالی نہ ہوگا کہ مشرقی یوپی میں تحریک اسلامی کو پھیلانے میں مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی مرحوم اور مولانا ملک حبیب اللہ صاحب مرحوم امیر حلقہ مشرقی یوپی کی خدمات بہت اہم ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں مقام عالی عطا فرمائے۔

۱۹۶۰ء میں مدرسۃ الاصلاح میں فضا پرسکون نہ رہی اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو انھیں لوگوں نے سبکدوش کر دیا جنھوں نے انھیں بلایا تھا اب ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے ایک دارالعلوم کا انتظام کیا جائے مولانا ابوبکر صاحب مولانا ملک حبیب اللہ اور بشمول راقم ایک نشست ہوئی جس میں مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی بھی شریک رہے ایک درسگاہ جامعۃ الرشاد کے نام سے کھولنے کا فیصلہ کیا گیا مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اس وقت جماعت اسلامی کے رکن تھے ادارہ چل پڑا اور چونکہ مولانا مجیب اللہ صاحب اس وقت دارالمصنفین اعظم گڑھ میں فارغ مصنف کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور شہر اعظم گڑھ میں ہی قیام پذیر تھے اس لئے ان کو اس درسگاہ کا ذمہ دار بنایا گیا اور بغرض سہولت اس درسگاہ کا شہر میں بلکہ ان کے محلہ میں ہی قائم کیا گیا پہلے یہ مسجد میں شروع کیا گیا پھر ایک دوسری مسجد بھی درس و تدریس کے لئے منتخب کی گئی اور کرایہ پر بھی مکان لیا گیا مگر جلد ہی مولانا مجیب اللہ صاحب جماعت اسلامی سے وعدہ

ہونے لگے اور آہستہ آہستہ پھر کمیٹی سے ہی مستعفی ہو گئے اب مذکورہ دونوں ذمہ داران
اور دیگر رفقاء نے یہ محسوس کیا کہ اب ہم اس درسگاہ کو آئندہ اپنی مرضیات سے چلا نہ سکیں گے
اس لئے اس سے ارکان جماعت بے تعلق ہو گئے اور بلریا گنج کے ایک پرائمری اردو
مکتب کی طرف رخ کیا گیا مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی رکن جماعت جامعۃ الرشاد
سے منتقل کر کے اسی مکتب میں بھیج دئے گئے پھر دھیرے دھیرے تحریک سے متعلق
لوگ مسند تدریس پر فائز کئے جاتے رہے مولانا ابوبکر صاحب اور امیر حلقہ مولانا ابواللیث
صاحب برابر اس کی دیکھ ریکھ کرتے رہے قصبہ کے لوگوں کا بھرپور تعاون رہا اور
آہستہ آہستہ یہ پرائمری مکتب وہ جامعۃ الفلاح بنا جو دنیا کے سامنے موجود ہے
اور جو کچھ ہے اسے لوگ جانتے ہیں مولانا ابوبکر صاحب بھی بعد میں اسی جامعہ میں
منتقل ہو گئے اور مختلف مناصب پر فائز رہے مولانا مرحوم جتنے مناصب پر فائز ہوئے
اتنے مناصب پر کوئی فائز نہ ہو سکا ۔ مولانا جامعۃ الفلاح میں ناظم، نائب ناظم، صدر مدرس
نگران اعلیٰ اور نگران سبھی ذمہ داریوں پر فائز رہے ناظم اور صدر مدرس تو بار بار بنائے گئے
ہر ذمہ داری کو خوش اسلوبی اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیا ۔ مولانا نے ایسا نرم اور فاضلانہ
اخلاق پایا تھا کہ کبھی جذبے میں نہ آتے اور نہ ہی کسی کام میں کسر شان محسوس کرتے
اسی چیز نے ان کو ہر دلعزیز بنا دیا تھا مولانا خاندانی اعتبار سے تو خان تھے اور مشہور
ہے کہ خان بہت جذباتی ہوتے ہیں مگر مولانا اس کے برعکس تھے ایسے منکسر المزاج
بے لوث اور مخلص تھے کہ اگر ان کو [illegible] منصب پر فائز ہونے کے بعد
حقیر سے منصب پر لگا دیا جاتا تو کسی کو محسوس [illegible]
اس حقیر منصب پر بھی اطمینان اور سکون [illegible] کے ساتھ کام کرتے [illegible] چنانچہ جب
کبھی کوئی منصب خالی ہوتا اور کوئی کام [illegible]
باوجود گاڑی کھینچنا شروع کر دیتے اور [illegible]
ساتھ اس سے الگ ہو جاتے جامعۃ الفلاح [illegible]

رہے اور ساتھ ہی نائب ناظم بھی رہے اور جب مدرسہ سے بوجہ ضعف جسمانی وضعف
بصارت الگ ہوئے تو نائب ناظم تھے اور یہاں کی انتظامیہ کے دائمی ممبر شروع سے
رہے ۔ اور آخر کار ۳ مئی ۱۹۹۶ء کو آخری شب میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔ جامعۃ الفلاح
کے ننھے پودے کو سینچنے اور قد آور درخت بنانے میں بہت سے احباب نے اپنی
زندگیاں لگائی ہیں ۔ مگر مولانا کی قربانیاں بہت اہم اور نمایاں ہیں مولانا کے گھر کی مالی حالت
اچھی نہیں بلکہ بہت ابتر تھی اور یہ مولانا جامعۃ الفلاح کی ملازمت کے بغیر گزر سکتا
نہیں تھے مگر صرف اس ادارے سے عشق نے مرحوم کو یہاں باندھ رکھا تھا مولانا کی
اولاد میں تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے لڑکوں کے نام عمر کی ترتیب کے ساتھ یہ ہیں ڈاکٹر
ابوالخیر، مولانا ابوالوسیم اصلاحی اور ابوالفیض اور لڑکی کا نام فاخرہ ہے ۔ الحمدللہ تمام اولاد
حیات ہیں خوش و خرم ہیں مولانا کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں بہت ہیں مولانا کے
بڑے لڑکے ایک میڈیکل کالج میں لکچرر ہیں اور دونوں چھوٹے لڑکے جنرل اسٹور چلاتے
ہیں اور خوب کامیاب ہیں ابوالوسیم اصلاحی صاحب تو پورے ضلع میں ایک کامیاب
تاجر اور منکسر المزاج فرد کی حیثیت سے مشہور ہیں ۔ مولانا مجھ سے کہا کرتے تھے کہ لڑکوں
کی تعلیم صرف دینی ہونی چاہئے اور ذریعہ معاش صرف تجارت ہونی چاہئے یہ بات
بار بار مجھ سے فرماتے رہتے تھے ۔

مولانا کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے اور خاص بات یہ ہے کہ شاگرد
لڑکیاں اس سے بھی زیادہ ہیں مولانا کے انتقال پر مدرسہ کا بند ہو جانا فطری امر تھا
مدرسہ بند رہا اور تمام اساتذہ و طلبہ بسوں میں سوار ہو کر سرائے میر گئے اور مولانا کی میت
کو کندھا دیا ۔ سرائے میر کے مغرب جانب قبرستان میں ۱۲ بجے کے قریب سپرد
خاک کئے گئے ۔ مدرسہ بیت العلوم کے احاطے میں نماز جنازہ ہوئی راقم الحروف نے
نماز جنازہ پڑھائی قرب و جوار سے کثیر تعداد نے جنازے میں شرکت کی اور آخری دیدار کیا
بہر حال [illegible] ہر ایک کا ہوگا کل نفس ذائقۃ الموت [illegible] اللہ تعالیٰ مرحوم
[illegible]

خطوط و رسائل

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب "حیات نو"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حیات نو مارچ ۱۹۹۶ء میں خطوط و رسائل کے کالم میں میرے استاذ محترم مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب کا ایک والا نامہ شائع ہوا ہے اس میں جناب فیاض عزیزی علیگ کے اس مضمون کی تصحیح کی گئی ہے، جو فروری کے شمارے میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم پر نکلا تھا۔ لیکن خود اس تردید میں بھی بعض باتیں قابل تردید یا قابل توضیح معلوم ہوتی ہیں، تاکہ آئندہ بے بنیاد باتیں تاریخ کا جز نہ بن جائیں۔

۱۔ مولانا نے لکھا ہے کہ "رسالہ الاصلاح ۳۸ء میں ہی بند ہو چکا تھا" یہ غلط ہے وہ دسمبر ۳۹ء تک شائع ہوتا رہا۔

۲۔ مولانا امین احسن صاحب سے مولانا ابو اللیث صاحب کے عدم تلمذ کی یہ دلیل کمزور معلوم ہوتی ہے کہ "مولانا ابو اللیث صاحب نے مدرسۃ الاصلاح میں صرف عربی چہارم تک تعلیم حاصل کی ہے اور مولانا اصلاحی (امین احسن) مرحوم عربی پنجم کے نیچے کے کلاس کبھی نہیں لیتے تھے" قابل غور ہے، مولانا نظام الدین صاحب نے جس زمانے میں درس لیا تھا اس زمانے میں یقیناً ایسا ہی تھا لیکن مولانا ابو اللیث صاحب جس زمانے میں مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم تھے وہ سنہ ۲۵ء سے قبل اس وقت مولانا امین احسن صاحب کی تدریس کا ابتدائی دور تھا اس لئے اس وقت پانچویں درجے سے نیچے کے کلاس لینا مستبعد نہیں ہے لیکن اس کے علاوہ اگر کوئی ثبوت ایسا موجود ہو کہ مولانا ابو اللیث صاحب نے مولانا امین احسن صاحب سے درس نہیں لیا تو اسے بیان کرنا چاہئے۔

۳۔ مولانا نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہاں تک کہ تدبر قرآن کی پوری رائلٹی مولانا نے ابو سعد کو دی جس سے جس کو بہت فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا ہے" فائدہ پہنچا تو ٹھیک ہے مگر فائدہ پہنچ رہا ہے درست نہیں ہے کیونکہ ناشر نے یکمشت پہلی اشاعت کے وقت ایک رقم دی تھی، جو کتاب کی اہمیت و مقبولیت کے لحاظ سے بہت زیادہ نہیں ہے۔ ہم کو جہاں تک معلوم ہے، مولانا کی تصنیفات جماعت اسلامی ہند کا مرکزی مکتبہ شائع کر رہا ہے اس سے بھی ان کے اعزہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

۴۔ مولانا نظام الدین صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے "مولانا کی پہلی بیوی جو بھولپور کے پاس کی تھیں" اور اس کے بعد پھر رقمطراز ہیں کہ "مولانا مرحوم کی پہلی شادی جیل پور پھریہا میں ہوئی تھی" دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے۔ موخر الذکر بات صحیح ہے، البتہ بھولپور کے پاس موضع بخش پور میں ان کے صاحبزادے ابو صالح اصلاحی مرحوم کی شادی ہوئی تھی، غالباً اسی وجہ سے مولانا نظام الدین صاحب کو التباس ہوا ہے۔

۵۔ مولانا فرماتے ہیں "میں" مولانا کی پہلی بیوی ...... پاکستان بننے کے فوراً ہی بعد اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں" پاکستان تو ۱۹۴۷ء میں بنا ہے اور مولانا نظام الدین صاحب کا بیان ہے کہ مولانا نے ۱۹۴۳ء میں مدرسۃ الاصلاح کو خیرباد کہا، میری نظر سے مولانا مودودی مرحوم کا وہ تعزیتی خط گزرا ہے جو انہوں نے مولانا اصلاحی کو ان کی اہلیہ کی وفات کے بعد لکھا تھا، اس وقت وہ خط پیش نظر نہیں ہے لیکن اتنا یاد آرہا ہے کہ وہ مدرسۃ الاصلاح یا بھولپور کے پتہ پر تھا اور ۴۰ء یا اس کے بعد کے کسی قریبی سنہ کا تھا، ۴۳ء کے اوائل تک مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں مولانا کا قیام متحقق اور ثابت ہے، کیونکہ مارچ ۴۳ء میں دارالاسلام پٹھانکوٹ میں بعض صوبوں کا اجتماع منعقد ہوا تھا جس کی روداد جناب ابو السلام نعیم صدیقی کے قلم سے مارچ و اپریل ۴۳ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوئی ہے اس میں مولانا امین احسن صاحب کے سرائمیر سے اس میں شرکت کرنے کی تصریح ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ ان کی اہلیہ کی وفات ۴۰ء کے بعد اور ۴۳ء کے قبل ان کے سرائے میر میں قیام کے زمانے ہی میں ہو گئی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ مولانا امین احسن صاحب کے بارے میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں، ان میں اکثر میں متعدد بے سروپا باتیں موجود ہیں، یہاں تک کہ مدرسۃ الاصلاح کے نئے فضلاء کے قلم سے جو مضامین شائع ہوتے ہیں وہ بھی بے بنیاد باتوں سے خالی نہیں ہیں۔ ایسے سب سے زیادہ حیرت ترجمان القرآن کے فاضل مدیر خورشید احمد صاحب کے مضمون پر ہوئی، جس میں اور باتوں سے قطع نظر سیرۃ النبی والفاروق کے مصنف علامہ شبلی نعمانی اور ان کے شاگرد رشید مولانا شبلی ندوی متکلم مہتمم اول مدرسۃ الاصلاح کو ایک ہی شخص قرار دے دیا ہے (دیکھئے ترجمان القرآن ماہ مارچ ۱۹۹۸ء)

والسلام

نیازمند

ضیاء الدین اصلاحی

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب "حیات نو"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"حیات نو" فروری ۹۸ء کے شمارے میں میرا مضمون "فکر فراہی کا امین ...... امین احسن اصلاحی" شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد مارچ ۹۸ء کے شمارہ میں اس مضمون سے متعلق جناب مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب کا طویل خط شائع ہوا ہے۔ اس مراسلہ میں موصوف نے جو تصحیح کی ہے وہ محل نظر ہے۔

مسئلہ ۱:۔ اس میں موصوف نے لکھا ہے کہ "مولانا اصلاحی نے ۱۹۴۳ء میں مدرسۃ الاصلاح کو خیرباد کہا" یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مولانا اصلاحی تو ۱۹۴۱ء میں ہی مدرسہ چھوڑ کر "دارالاسلام" پٹھانکوٹ منتقل ہو گئے تھے۔ اس کی تصدیق مولانا اصلاحی کے شاگرد رشید خالد مسعود کے قول سے ہوتی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

"۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم ہوئی تو مولانا بھی اس میں شامل ہو گئے اور مودودی کے اصرار پر مدرسہ چھوڑ کر "دارالاسلام" پٹھانکوٹ منتقل ہو گئے"

اس ضمن میں محترم کا دوسرا خیال کہ "رسالہ الاصلاح ۱۹۴۰ء میں بند ہو چکا تھا" سراسر غلط و بے بنیاد ہے اس لئے کہ "الاصلاح" ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے جب کہ ۱۹۴۱ء میں بھی اس کے چند شمارے شائع ہوتے ہیں اور مکمل طور سے یہ رسالہ ۱۹۴۱ء کے بعد بند ہوا ہے۔ اس کی تصدیق اس کی فائلوں (۸-۹ سال قبل راقم السطور نے اس کی فائلیں مدرسہ پر دیکھی تھیں) کے ساتھ بہت سے مستند اصلاحیوں کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ۱۹۳۹ء تک یہ رسالہ مولانا امین احسن اصلاحی کی زیر ادارت شائع ہوا ہے جیسا کہ ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب لکھتے ہیں۔

"الاصلاح دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح کے ترجمان کی حیثیت سے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک مولانا امین احسن اصلاحی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا" [۳]

بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ "الاصلاح" ۱۹۴۰ء تک امین احسن اصلاحی کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ استاد محترم محمد ایوب اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں۔

"یہ بات ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک کی ہے کہ مدرسۃ الاصلاح سے ماہنامہ الاصلاح نامور مفسر قرآن جناب مولانا امین احسن اصلاحی کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا...... اس کے بعد الاصلاح کے چند شمارے مولانا ابو اللیث اصلاحی صاحب کے زیر ادارت نکلے" [۴]

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ "الاصلاح" ۱۹۴۰ء میں بند نہیں ہوا تھا بلکہ ۱۹۴۰ء کے بعد بھی اس کے چند شمارے شائع ہوئے ہیں اور مکمل طور سے ۱۹۴۱ء کے بعد بند ہوا ہے اور ۱۹۴۱ء میں مولانا اصلاحی مدرسہ چھوڑ کر پٹھانکوٹ اور پھر لاہور منتقل ہوتے ہیں۔

اس موقع پر میں اپنی دو غلطیوں کا ازالہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اول یہ کہ یہ رسالہ مولانا اصلاحی کے پاکستان جانے کے بعد نہیں بلکہ لاہور جانے کے بعد

تھی سنہ ۱۹۴۱ء کے بعد بند ہوا تھا دوم یہ کہ اس رسالہ کے دوسرے مدیر مولانا اختر احسن اصلاحی نہیں تھے بلکہ مولانا ابو اللیث اصلاحی صاحب تھے۔ گزشتہ مضمون میں مجھ سے یہ غلطی سرزد ہو گئی تھی قارئین تصحیح کر لیں (شکریہ)

مسئلہ ۲۔ محترم نے لکھا ہے کہ ''مولانا ابو اللیث صاحب نے مدرسۃ الاصلاح میں صرف عربی سوم تک تعلیم حاصل کی ہے اور مولانا اصلاحی مرحوم عربی پنجم سے نیچے کی کلاس کبھی نہیں لیتے تھے۔ اس طرح مولانا ابو اللیث صاحب نے ان سے تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔'' (ص ۴۲)

محترم کی یہ بات بالکل درست ہے لیکن اس لحاظ سے مولانا امین احسن اصلاحی بھی مولانا فراہی کے شاگرد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ مولانا اصلاحی سنہ ۲۲ء میں ہی مدرسہ کی تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر صحافت کی دنیا میں جا چکے تھے جب کہ مولانا فراہی اس وقت مدرسۃ الاصلاح پر موجود نہیں تھے۔ مولانا اصلاحی کے فارغ التحصیل ہونے کے تین سال بعد سنہ ۲۵ء میں مولانا فراہی مدرسۃ الاصلاح پر آئے ہیں۔ اب ذرا محترم یہ بتائیں کہ مولانا فراہی نے مولانا اصلاحی کو کس کلاس میں پڑھایا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ درحقیقت مولانا اصلاحی سنہ ۲۵ء میں مولانا فراہی کے کہنے پر صحافت چھوڑ کر مدرسۃ الاصلاح پر درس و تدریس کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد سنہ ۳۰ء تک مولانا فراہی کے ساتھ رہ کر ذاتی ذوق و دلچسپی کی بنیاد پر ان سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ اسی مجلس استفادہ کی بنیاد پر انہیں فراہی کا شاگرد کہا جاتا ہے نہ کہ کلاس کی تعلیم پر۔ اسی طرح مولانا ابو اللیث اصلاحی نے بھی مولانا اصلاحی سے کسب فیض کیا تھا۔ جس کی بنیاد پر لوگ انہیں مولانا اصلاحی کا شاگرد تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شعیب اعظمی نے بھی مولانا ابو اللیث اصلاحی صاحب کو مولانا اصلاحی کے سر فہرست شاگردوں میں سے تحریر کیا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

''ان کے شاگردوں میں مولانا نجم الدین اصلاحی، مولانا بدر الدین اصلاحی، مولوی [illegible]

مولوی ممتاز، مولوی ابو اللیث اصلاحی اور عبد اللطیف اعظمی کے نام سر فہرست ہیں۔''

مسئلہ ۳۔ اس مسئلہ میں محترم میری بات کو خلاف واقعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حالانکہ مولانا اصلاحی تاسیس جماعت میں شریک ہی نہیں تھے بلکہ ۔۔۔۔۔'' (ص ۴۳) جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ مولانا اصلاحی سنہ ۱۹۴۱ء میں ہی مولانا مودودی کے ساتھ بانی رکن کی حیثیت سے جماعت میں شامل ہو چکے تھے اور مدرسہ چھوڑ کر لاہور منتقل ہو گئے تھے جس کی تصدیق مولانا اصلاحی کے شاگرد رشید خالد مسعود کے قول سے ہوتی ہے جسے میں مسئلہ اول کے ضمن میں نقل کر چکا ہوں۔ اس طرح ناصر حسین قریشی کی تحریر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ مولانا اصلاحی جماعت کے بانی ارکان میں شامل تھے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

''سنہ ۱۹۴۱ء میں لاہور میں اقامت دین کے مقصد کے لئے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا امین احسن اصلاحی نہ صرف اس کے بانی ارکان میں شامل تھے بلکہ مولانا مودودیؒ کے بعد وہ جماعت کے اہم ترین فکری قائد تصور کئے جاتے تھے۔''

بعینہ یہی خیال مولانا کے دوسرے شاگرد جناب سلیم کا یانی کا بھی ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے یہ مضمون انگلینڈ سے شائع ہونے والے بین الاقوامی انگریزی ماہنامہ (Impact) میں شائع ہوا ہے۔ تصدیق کے لئے اس کی ورق گردانی کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ یہاں پر سب سے پہلے میں اپنی ایک غلطی کی اصلاح ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں نے گزشتہ مضمون میں لکھا تھا کہ ''تقسیم کے بعد وہ مولانا مودودی کے ساتھ پاکستان چلے گئے تھے'' حقیقت یہ ہے کہ مولانا اصلاحی تو سنہ ۱۹۴۱ء میں ہی لاہور منتقل ہو گئے تھے پھر لوٹ کر وطن نہیں آئے اور تقسیم کے بعد پاکستان کے شہری بن گئے۔

محترم نے ص ۴۳ پر میری رائے کو مولانا اصلاحی پر بے بنیاد الزام قرار دیتے

ہوئے اپنی دلی تکلیف کا اظہار کیا۔ خیر! اپنے احساسات کے اظہار کا حق ہر شخص کو حاصل ہے لیکن محترم نے کوئی ایسا ثبوت نہیں دیا جس سے الزام کی تردید ہو سکے۔

موصوف نے لکھا ہے کہ "اس لئے یہ کہنا کہ مولانا نے بیوی بچوں کو بے سہارا چھوڑ دیا بہت تکلیف دہ الزام ہے" (ص ۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اصلاحی ۱۹۴۰ء میں ہی لاہور چلے گئے تھے جس کے دلائل میں شروع میں دے چکا ہوں اور تقسیم کے بعد پاکستانی شہری ہو گئے پھر لوٹ کر وطن نہیں آئے۔ البتہ تقسیم وطن کے فوراً بعد تھوڑی دیر کے لئے اعظم گڑھ تشریف لائے تھے جیسا کہ پروفیسر شعیب اعظمی کا بیان ہے اور ان کی پہلی بیوی کا انتقال پاکستان بننے کے فوراً بعد ہو گیا تھا جس کی تصدیق موصوف نے بھی اپنے خط میں کی ہے۔ اس طرح ۱۹۴۰ء سے لے کر تقسیم وطن تک یا یوں کہہ لیں کہ بیوی کے انتقال تک تقریباً سات سالوں کا طویل عرصہ ہے۔ ان سات سالوں کے دوران مولانا اصلاحی کا اپنی بیوی سے کسی ربط و تعلق کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ نہ ہی موصوف نے کوئی ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس کے باوجود موصوف کی وکالت و حد درجہ تکلیف چہ معنی دارد؟ اس کا فیصلہ قارئین کرام کی اپنی اپنی صواب دید پر منحصر ہے۔ البتہ راقم سطور اب بھی اپنی پہلی رائے پر قائم ہے الا آنکہ ایسے دلائل و شواہد سامنے آجائیں جن کی روشنی میں اس مسئلہ کے تمام پہلو واضح ہو جائیں اور اصلاحی نقطہ نظر سے اس کی ساری پیچیدگیاں دور ہو سکیں۔ عاقلاں را اشارہ کافی است۔

مسئلہ ۵: محترم نے لکھا ہے کہ "مولانا اصلاحی ۱۹۵۷ء میں نہیں بلکہ جنوری ۱۹۵۸ء میں جماعت سے الگ ہوئے تھے۔" (ص ۳۲) جب کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ مولانا اصلاحی ۱۹۵۷ء میں مولانا مودودی سے اختلافات کی بنیاد پر الگ ہوئے تھے۔ محترم نے میری رائے کو غلط قرار دیتے ہوئے اپنی بات پر اصرار کیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا اصلاحی اختلافات کی بنیاد پر ہی الگ ہوئے تھے جس کے دلائل میں آگے

دے رہا ہوں۔ جہاں تک ۱۹۵۷ء و ۱۹۵۸ء کا مسئلہ ہے تو یہ مختلف فیہ ہے اس لئے کہ مولانا اصلاحی کے معاصر جناب محمد طفیل صاحب کی رائے ہے کہ مولانا اصلاحی جماعت سے جنوری ۱۹۵۸ء میں علیحدہ ہوئے تھے۔ اسی طرح مولانا کے شاگرد سلیم کیانی نے لکھا ہے کہ مولانا اصلاحی جماعت سے ۱۹۵۸ء (مہینہ نہیں لکھا ہے) میں الگ ہوئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس زاہد حسین قریشی اور مولانا کے شاگرد رشید خالد مسعود کا خیال ہے کہ مولانا اصلاحی مودودیؒ سے اختلافات کی بنیاد پر ۱۹۵۷ء میں جماعت سے الگ ہو گئے تھے۔ چنانچہ زاہد حسین قریشی لکھتے ہیں۔

"۱۹۵۷ء میں امیر شوریٰ کے اختیارات کے مسئلہ پر مولانا امین احسن اصلاحی کا جماعت سے اختلاف ہو گیا۔ وہ جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے"

اسی طرح خالد مسعود مولانا اصلاحی و مولانا مودودی کے مابین اختلافات کی روداد بیان کرنے کے بعد لوگوں کی مصالحانہ کوششوں اور پھر علیحدگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کافی عرصہ تک ملک و بیرون ملک کے لوگوں نے افہام و تفہیم کی کوشش کی لیکن مصالحت نہ ہو سکی۔ مولانا مودودی دستوری تبدیلیوں کو واپس لینے کے لئے تیار نہ ہوئے اور مولانا اصلاحی نے کہا کہ میں پیری مریدی کے نظام میں نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں مولانا نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔"

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اختلافات کا سلسلہ ۱۹۵۷ء کے آخر تک چلا ہو اور مصالحت نہ ہونے کی صورت میں علیحدگی جنوری ۱۹۵۸ء میں ہوئی ہو۔ چونکہ وقت اور تاریخ کا قطعی تعین نہیں ہے اس لئے دو سالوں کے (۱۹۵۷ء و ۱۹۵۸ء) کے درمیان اختلافات و علیحدگی کا درمیانی وقفہ چند گھنٹوں سے دنوں اور ہفتوں تک بھی ہو سکتا ہے ایسی صورت میں دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اس لئے جب تک وقت اور تاریخ کا تعین نہیں ہو جاتا اپنی رائے کے درست ہونے پر اصرار کرنا مناسب نہیں۔ اس مسئلہ میں

مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱؎ تحریک اسلامی کا آغاز اولاً عملی شکل میں ۱۹۳۹ء میں "تحریک دارالاسلام" کے نام سے پٹھانکوٹ کے قریب ایک چھوٹے سے مقام پر ہوا۔ پھر اگست ۱۹۴۱ء میں اس کی نئے سرے سے تنظیم ہوئی اور اب "جماعت اسلامی" کے نام کی تنظیم کے ساتھ اس کا سفر شروع ہوا۔ ملاحظہ ہو مولانا صدرالدین اصلاحی کی تصنیف "تحریک اسلامی ہند" مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی مئی ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۶

۲؎ بحوالہ افکار دہلی، صفحہ ۵ فروری ۹۸ء

۳؎ قرآنی مقالات — مرتب اشتیاق احمد ظلی، صفحہ ۵ ادارہ علوم القرآن علی گڑھ ۱۹۹۱ء

۴؎ بحوالہ مجلہ مدرسۃ الاصلاح کا سالانہ مجلہ، صفحہ ۳۶ پہلا شمارہ سن مجہول، غالباً ۸۰ء

۵؎ بحوالہ قومی آواز ضمیمہ، صفحہ ۱۹ ۲۴ دسمبر ۹۶ء

۶؎ جہاد کشمیر (پندرہ روزہ)، صفحہ ۱۹ مظفرآباد، راولپنڈی پاکستان یکم جنوری ۹۸ء

۷؎ بین الاقوامی انگریزی ماہنامہ "IMPACT" صفحہ ۲ فروری ۹۸ء انگلینڈ ریویو کے

۸؎ قومی آواز ضمیمہ، صفحہ ۳ ۲۴ دسمبر ۹۶ء

۹؎ بحوالہ ماہنامہ زندگی نو دہلی، صفحہ ۵۵ اپریل ۱۹۹۶ء

۱۰؎ بین الاقوامی انگریزی ماہنامہ "IMPACT" صفحہ ۴۷

۱۱؎ جہاد کشمیر (پندرہ روزہ) صفحہ ۱۹ مظفرآباد راولپنڈی یکم جنوری ۹۸ء

۱۲؎ افکار دہلی، صفحہ ۵۹ فروری ۹۸ء

ڈاکٹر فیاض حمید
۱۰۳ محمد حبیب ہال اے ایم یو
علیگڑھ (یوپی)

محترمی و مکرمی جناب مدیر حیات نو بڑیاگاؤں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عظیم مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی وفات کے بعد [illegible] کے متعلق کچھ لکھا ہوا ملا میں نے اسے پڑھنے کی کوشش کی۔ [illegible] کا حیات نو کا شمارہ کافی تاخیر سے پڑھنے کو ملا۔ اس میں [illegible] ہیں جنہوں نے مولانا اصلاحیؒ کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے۔

اس پر ایک طالبعلمانہ استدراک حاضر خدمت ہے توقع ہے کہ اسے آپ اگلے شمارہ میں شائع کرکے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق علمی دیانت داری کا ثبوت دیں گے۔

ڈاکٹر فیاض حمید صاحب حیات نو فروری ۹۸ء کے صفحہ نمبر ۳ پر دوسرے اقتباس میں تحریر فرماتے ہیں "جس کو کہ (مدرسۃ الاصلاح سرائمیر) کی بنیاد مولانا محمد شفیع صاحب نے ۱۹۰۹ء میں رکھی تھی اور اس کی تعمیر و ترقی علامہ شبلی و علامہ فراہیؒ کے ہاتھوں ہوئی اس وقت علامہ فراہی مدرسہ پر طلبہ کو درس دیا کرتے تھے"

آنجناب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے مولانا محمد شفیع صاحب نے مدرسۃ الاصلاح کی بنیاد ۱۹۰۹ء میں رکھی تھی حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ۱۹۰۸ء میں رکھی تھی۔ اسی طرح یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ مولانا فراہیؒ کا مدرسۃ الاصلاح میں سلسلہ درس قیام مدرسہ کے بعد ہی شروع ہو چکا تھا جیسا کہ مترشح ہوتا ہے کہ مولانا فراہیؒ تو مدرسۃ الاصلاح ۱۹۱۵ء میں آئے تھے اور ۱۹۳۰ء تک یعنی آخری عمر تک اپنے علم سے لوگوں کو مستفیض کرتے رہے۔ اور یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ مولانا فراہیؒ طلبہ کو درس دیتے تھے بلکہ وہ تو یہاں کے اساتذہ کو اپنے خاص نہج کے مطابق درس دیتے تھے البتہ آخری درجے کے گنے چنے بعض طلبہ کو بھی اس درس میں شریک ہونے کی اجازت تھی۔

اسی طرح صفحہ نمبر ۳ ہی پر ڈاکٹر صاحب موصوف رقمطراز ہیں "چنانچہ اس وقت مولانا کے رفقاء درس میں مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا عبدالجلیل، شبلی متکلم اور نجم الدین

اصلاحی وغیرہ بھی تھے"، حالانکہ مولانا شبلی متکلمؒ مولانا اصلاحیؒ کے رفقاء درس میں سے نہیں تھے بلکہ ان کے استاذ تھے اتنا ہی نہیں بلکہ جب مولانا شبلی متکلم مدرسۃ الاصلاح کے مہتمم ہوئے تو انھوں نے مولانا اصلاحیؒ کے والد کے مشورے سے انھیں مدرسۃ الاصلاح میں داخل کیا تھا۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں "مگر افسوس کہ مولانا اصلاحی کے پاکستان جانے کے بعد یہ رسالہ (الاصلاح) بند ہو گیا۔ شاید اس کے چند شمارے مولانا اختر احسن اصلاحی کی ادارت میں بھی شائع ہوتے تھے" حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی ادارت میں کوئی شمارہ "الاصلاح" کا شائع ہوا اگر معلومات نہیں تھی تو اسے ضبط تحریر میں لانے کی کیا ضرورت تھی صحیح بات تو یہ ہے کہ پہلے "الاصلاح" مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا پھر مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحیؒ کی ادارت میں چند شمارے "الاصلاح" کے نہیں بلکہ "اصلاح" کے نام سے شائع ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا کے تعلق سے جس رسالہ "الصفا" کا ذکر کیا ہے اس کا مرجع کیا ہے؟ اس کی وضاحت ہو جاتی تو علم میں اضافہ ہوتا۔

والسلام
فضل الرحمن اعظمی
متعلم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ

بقیہ: روداد انجمن

کا ایک وسیع اور مستحکم وفاق قائم کریں تاکہ بے بنیاد الزامات لگا کر ان کے خلاف کی جانے والی حکومتی کارروائیوں کو روکا جا سکے۔ انھوں نے یاد دلایا کہ وقتاً فوقتاً اس طرح کی کارروائیاں یا بیانات کے ذریعہ ہندوتو کی علم بردار طاقتیں مسلمانوں کے رد عمل کا اندازہ کرنا چاہتی ہیں تاکہ مناسب وقت پر اقدام کیا جا سکے۔ لہٰذا علماء اور ملی قیادت کا اتحاد اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

حادثہ جانکاہ ——— مولانا ابوبکر اصلاحی صاحبؒ کی وفات پر تعزیتی اجلاس

مئی ۹۸ء کو یہ خبر بجلی بن کر گری کہ جامعہ کی تاسیس اور تعمیر و ترقی میں اہم رول ادا کرنے والے اور ہم سب کے دیرینہ مشفق و مربی مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی اللہ کو پیارے ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

ادھر چند دنوں سے شدید علیل چل رہے تھے اور ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا لیکن یہ امید نہیں تھی کہ اس قدر جلد ہمیں داغ مفارقت دے جائیں گے۔

قریب دو سال قبل ان کی پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے بچوں نے اصرار کیا کہ اب آپ گھر پر آرام کریں چنانچہ جامعہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر گھر چلے گئے تھے البتہ جامعہ سے جو تعلق خاطر تھا وہ برابر برقرار رہا اور مختلف مواقع پر برابر تشریف لاتے رہتے تھے۔

خبر پہونچتے ہی یہاں چھٹی کا اعلان کر دیا گیا اور تعزیتی اجلاس منعقد کیا گیا ذمہ داران و اساتذہ کرام نے مولانا کے حالات زندگی، ان کے اوصاف و کمالات اور خدمات جلیلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی نے فرمایا کہ مولانا مرحوم ایک بے لوث اور بے نفس انسان تھے جامعہ کے ہر چھوٹے اور بڑے عہدے پر فائز رہے اور ہر حیثیت میں اپنی ذمہ داری کو حسن و خوبی نبھایا ناظم کے بعد ان کو نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی تو اس میں عار محسوس نہیں کیا بلکہ اس کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ مرحوم بنارس کے ناظم علاقہ جماعت اسلامی ہند بھی رہے۔ وہ حالات سے کبھی گھبراتے نہیں تھے اور نہ مسائل سے پریشان ہوتے تھے خواہ وہ مدرسہ سے متعلق

رہے ہوں یا جماعت سے متعلق نہ ہوں۔ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے فرمایا کہ ۱۹۴۶ء میں مولانا مودودیؒ کے مشورے پر مولانا ابو اللیث صاحب اکوڑہ سے مولانا صدر الدین صاحب پٹھان کوٹ سے، مولانا جلیل احسن صاحب ندویؒ بریلی سے اور مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی بستی سے مدرسۃ الاصلاح بھیجے گئے وہاں بھی انھوں نے اپنے تمام رفقاء کے ساتھ خدمت انجام دیں۔ ۱۹۶۲ء میں ارکان جماعت مدرسۃ الاصلاح سے علیحدہ ہو گئے تو اعظم گڑھ میں جامعۃ الرشاد کے نام سے درسگاہ قائم کی گئی لیکن جب اس کو تحریک کے لئے غیر مفید سمجھا گیا تو امیر حلقہ ملک حبیب اللہ مرحوم اور مولانا ابو محمد صاحب اصلاحیؒ نے بلریاگنج کے ایک مکتب کی جانب رخ کیا اس کو ترقی دی جو جامعۃ الفلاح کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ مولانا مرحوم اسی کے ہو کر رہ گئے تھے اور ہر طرح کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آخر میں مہتمم جامعہ مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی نے مولانا مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی بیش بہا خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ آخری عمر تک مولانا مرحوم نظم و ضبط اور صفائی کے بہت پابند رہے اور انتہائی نفاست پسند واقع ہوئے تھے۔ مولانا ہی کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔ اور تقریباً تمام اساتذہ کرام ذمہ داران اور طلبہ جنازے میں شرکت کے لئے روانہ ہو گئے۔ ایسا محسوس ہوا کہ مولانا کے انتقال کا غم صرف جامعہ ہی کو نہیں پورے دیار کو ہے۔ کافی تعداد میں سوگوار جنازے میں موجود تھے۔

دعا ہے کہ اللہ مولانا کی خدمات جلیلہ اور اعمال حسنہ کو قبول فرمائے انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے اور سارے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے نیز جامعہ کو ان کا نعم البدل عنایت کرے آمین۔

نو واردان بساط انجمن

مختلف تعلیمی و تربیتی ضروریات کے لئے جن ارباب علم و آگہی کی خدمات جامعہ نے جلد ہی حاصل کی ہیں ان کا مختصر تعارف ہدیہ قارئین ہے۔

جناب مولانا ولی اللہ صاحب قاسمی کی تقرری شعبۂ اعلیٰ میں بحیثیت استاذ فقہ عمل میں آئی ہے۔ آپ فاضل دیوبند ہیں اور سبیل السلام حیدرآباد سے تخصص فی الفقہ کا کورس بھی مکمل کیا ہے۔ جناب محمد آصف صاحب فلاحی کا دفتر تعلیمات میں محرر کی حیثیت سے تقرر ہوا ہے۔ اور جناب رئیس احمد صاحب فلاحی بحیثیت معید جامعہ سے وابستہ ہوئے ہیں۔ محترمہ افشاں باری صاحبہ بی۔ اے، بی۔ ایڈ اور محترمہ شبینہ شہناز فلاحی کی تقرری کلیۃ البنات شعبۂ ابتدائی میں بحیثیت استاد عمل میں آئی ہے۔

ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ انھیں جامعہ کی ہمہ جہتی تعمیر و ترقی میں فعال کردار ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔

خوشی کی بات

یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بیحد مسرت ہو رہی ہے کہ برادر محترم جمیل احمد فلاحی گونڈوی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ۱۰+۲ میں انگریزی کے استاد ہو گئے ہیں اللہ انھیں مزید ترقیاں عطا کرے اور اپنی رضا کے لئے چن لے۔ آمین۔

اظہار تعزیت

بڑے رنج و غم کے ساتھ ہم یہ خبر دے رہے ہیں کہ جناب مولانا شاہ عالم صاحب فلاحی استاد جامعہ شعبۂ اعلیٰ کے والد محترم جناب مشتاق احمد صاحب ۱۶ مئی ۱۹۹۶ء کو رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور انتہائی سادہ زندگی گذارتے تھے۔ کافی ملنسار بھی تھے ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اللہ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

رودادِ انجمن

ادارہ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح دہلی یونٹ نے دینی مدارس کے خلاف فسطائی قوتوں کے جارحانہ عزائم اور سازشوں کا نوٹس لیتے ہوئے ایک اہم پریس ریلیز جاری کیا جس کے اندر علماء و ملی قیادت کے اتحاد اور مدارس کے وفاق کے قیام پر زور دیا گیا تاکہ ان سازشوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ذیل میں اصل پریس نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

گزشتہ دنوں وشو ہندو پریشد کے کل ہند سکریٹری موہن چند جوشی نے اترپردیش میں مسلمانوں کے دینی مدارس کے خلاف یہ بیان دیا تھا کہ ان مدارس میں تقریباً دو لاکھ آئی ایس آئی کے ایجنٹ سرگرم ہیں۔ مسٹر جوشی نے مرکزی حکومت سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ حکومت مدارس پر چھاپہ مار کر ان ایجنٹوں کو گرفتار کرے۔ اس بیان کے فوراً بعد ہی سہارنپور حلقے میں ڈی آئی جی کا چارج لینے کے بعد حکومت اترپردیش کے ایک پولیس افسر مسٹر آر ڈی ترپاٹھی نے یہ بیان دیا کہ اترپردیش کے دینی مدارس میں آئی ایس آئی کے لئے کام کرنے والوں کو ۸ سے ۱۰ ہزار روپے تک تنخواہ ملتی ہے۔

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح دہلی یونٹ کے صدر مولانا ابوالمکارم فلاحی نے ان دونوں بیانات کو بے بنیاد اور افتراپردازی قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ حکومت اترپردیش کی مسلم مخالف مہم کا ایک حصہ ہے اور یہ دونوں بیانات ایک سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ ہیں جو اترپردیش کے مسلمانوں کو تعلیم سے محروم کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں حکومت اترپردیش کی مسلمانوں کو تعلیم سے دور کرنے کی سازشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم کا ہندو کرن کرنے کے بعد اب اس کی ساری توجہ دینی مدارس کی جانب ہے اور وہ ان مدارس پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مولانا فلاحی نے دینی مدارس کے ذمہ داروں اور ملی رہنماؤں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے معمولی اور جزوی اختلافات کو بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر آئیں اور دینی مدارس

بقیہ صفحہ [illegible] پر